قرآنِ مجید کا قانونِ طلاق

طلاق مرد عورت کے مابین ایک ایسے تسلیم شدہ تعلق کے متعلق ہے جس کے بارے میں معاشرہ حتمی اور یقینی طور پر جانتا ہے کہ عقد نکاح پر قائم ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں معاشرے کے دستور کے مطابق عقد نکاح یعنی شادی کا بندھن اس تعلق کو قائم کرنے کا اجازت نامہ ہے۔ غیر مسلم معاشرے میں شادی کا بندھن اور مسلم معاشرے میں نکاح جبھی تسلیم ہوتا ہے اگر مشہود ہو۔ فریقین کے درمیان کسی بھی معاہدہ کو معاشرہ اس صورت میں تسلیم کرتا ہے جب گواہوں کی موجودگی میں طے پائے۔ نکاح یعنی شادی کا بندھن ایک مرد اور عورت کے درمیان معاہدہ، عقد ہے لیکن معاشرہ بھی ایک فریق ہے کیونکہ جو معاہدہ اس کی رضامندی اور دستور کے مطابق ہوا اس پر عمل درآمد اور فریقین کے متعین حقوق وفرائض کی بجا آوری کیلئے معاشرہ ذمہ دار بھی ہے۔ معاشرے کے دستور اور گواہوں کی موجودگی میں کئے گئے کسی بھی معاہدہ کے بارے میں فریقین یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ ان کا انفرادی، ذاتی معاملہ ہے اور اس میں معاشرے کا کوئی عمل دخل نہیں۔ فریقین کو یہ حق دے دیا جائے تو معاشرہ فساد کی آماجگاہ بن کر رہ جائے گا۔

انتہائی وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ رشتوں کے تقدس کے حوالے سے کونسی خواتین حلال نہیں ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ شادی شدہ خواتین بھی حلال نہیں۔ پھر بتایا ''اور ان کے علاوہ تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں''۔ ان عورتوں کا ''زوج'' بننا شرائط سے مشروط ہے ارشاد فرمایا: أَن تَبْتَغُواْ بِأَمْوَٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ ''کہ انہیں اپنے اموال کے ذریعہ سے محفوظ حصار میں لاؤ نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے کیلئے'' (النساء۔۲۴)۔ یوں اجازت دی گئی کہ محصنہ بنائے جانے کے ارادے کے ساتھ حلال خواتین سے نکاح کا عزم کرو۔ نکاح کا عقد باہمی رضامندی سے پیشگی شرائط طے کرنے کے بعد (موسیٰ علیہ السلام کا عقد مبارک) یا طے کئے بغیر گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔ معاشرے کی رضامندی اور دستور کے مطابق نکاح کے بعد قائم کئے گئے ایک مخصوص تعلق کو تقدس اور پاکیزگی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ کیا عقدِ نکاح کے بعد اس مخصوص تعلق کو قائم کرنا لازم ہے؟ ارشاد فرمایا:

لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُواْ لَهُنَّ فَرِيضَةً

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنی ان بیویوں کو جنہیں تم نے ابھی چھوا ہی نہیں یا جن کا ''فریضہ'' ابھی مقرر نہیں کیا طلاق دے دو''

وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ

''اور اگر تم انہیں چھونے سے قبل طلاق دے دو'' (حوالہ البقرۃ۔۲۳۶۔۲۳۷)

واضح ہوا کہ نکاح حقوق زوجیت کی ادائیگی کا متقاضی ہے اور طلاق اس تعلق کو قائم نہ کئے جانے کا اعلان ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحْتُمُ ٱلْمُؤْمِنَـٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾

''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو بعد ازاں اگر تم انہیں طلاق دیتے ہو اس سے قبل کہ تم نے ان سے حق زوجیت ادا کیا ہو تو تمہارے لئے ان کے ذمے کوئی عدت نہیں جس کا تم خاوند شمار کرو۔ اور انہیں (البقرۃ کی آیت ۲۳۶۔۲۳۷ کے مطابق)

تحائف دو اور خوش اسلوبی (عزت و تکریم) سے رخصت کرو'' (الاحزاب۔۴۹)

قرآنِ مجید نے بن چھوئے دی ہوئی اس ایک طلاق کی بنا پر اس عورت کو آئندہ کیلئے اس مرد کیلئے زندگی میں حرام قرار نہیں دیا۔ اگر یہ عورت کسی دوسرے کے نکاح میں ہونے کی بنا پر بن چھوئے طلاق دینے والے مرد کیلئے حرام نہیں ہو جاتی تو اس کیلئے بھی دوبارہ نکاح کیلئے حلال ہے۔

منکوحہ عورتوں کو نکاح کے بعد اگر خاوند بن چھوئے طلاق نہیں دیتا بلکہ ان سے حقوق زوجیت قائم کر لئے ہوں تو ان کیلئے حکم دیا:

فَمَا ٱسْتَمْتَعْتُم بِهِۦ مِنْهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ

''پھر تم اُن میں سے جن بیویوں کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کر چکے ہو (مستفید ہوتے ہو)

تو پھر ان کے اجر ادا کرو، پورے متعین کردہ''

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَٰضَيْتُم بِهِۦ مِنۢ بَعْدِ ٱلْفَرِيضَةِ ۚ

''اور اس میں تمہارے لئے کوئی حرج نہیں اگر متعین ہو جانے کے بعد آپس کی باہمی رضامندی سے

تمہارے درمیان کوئی (ردوبدل، کمی بیشی کا) سمجھوتا ہو جائے'' (حوالہ النساء۔۲۴)

''مہر، فریضہ'' کوئی ایسی اجرت نہیں جو 'اسْتَمْتَعْتُم' یعنی استفادہ'' کا بدلہ، دین ہو۔ یہ ''فَرِيضَةً، اجر'' کیا ہے؟ فرمایا

وَءَاتُواْ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً ''اور عورتوں کے (باہمی طے شدہ) تحفے (مہر) خوشدلی سے (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو''۔ البتہ اجازت دی کہ اگر خود اپنے دل کی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔ (حوالہ النساء۔۴)

جن خاوندوں بیویوں کے درمیان نکاح کے بعد حقوق زوجیت کے تعلقات استوار ہو گئے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے خاوند بیوی کے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی ہے (الروم ۔۲۱) لیکن اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں کہ ان کے درمیان اختلافات پیدا ہو جائیں۔ عشق وہ کیفیت ہے جس میں لین دین کا سوال نہیں ہوتا لیکن انسان کا شرف یہ ہے کہ لین دین کی زنجیروں سے جکڑا ہے۔ اور جب جسم کی فطرت میں ''لین دین'' ہوگا تو اختلاف بھی ابھرے گا۔ قرآنِ مجید نے بتایا ہے کہ حقوق زوجیت کے بعد ناپسندیدگی کے احساسات و جذبات ابھر سکتے ہیں اور خاوند بیوی کے درمیان ابھرنے والے اختلافات، رنجشیں اور جھگڑے مندرجہ ذیل باتوں کا شاخسانہ ہو سکتے ہیں انہیں سلجھانے اور نمٹانے کیلئے واضح ہدایات عطا فرمائی ہیں:

(ا) وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

''اور دستور کے مطابق ان کے ساتھ رہو۔ پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ کسی چیز، بات کو تم ناپسند کرو مگر اللہ نے اس میں بہت بھلائی رکھ دی ہو'' (حوالہ النساء ۔۱۹)

(ب) وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ

''اور اگر تمہارا ارادہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ہو'' (حوالہ النساء ۔۲۰)

(ت) وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ

''جن عورتوں سے تمہیں سرکشی (ناروا رویہ، اکڑخوانی، بدتمیزی) کا اندیشہ ہو تو پہلے انہیں سمجھاؤ اور اگر نہ سمجھیں تو خوابگاہوں میں انہیں الگ کر دو'' (حوالہ النساء ۔۳۴)

(ث) وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا

''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے سرکشی یا بے رخی (اعراض برتنے) کا خوف ہو'' (حوالہ النساء ۔۱۲۸)

اوپر بیان کردہ (الف) اور (ب) باتوں کا تعلق اس نوعیت کا ہے جس میں بیوی موردِ الزام نہیں بلکہ خاوند کی ناپسندیدگی اور ارادے سے ہے۔ عورت سے نکاح کا عزم ظاہری عوامل کی بنیاد پر ہوتا ہے لیکن دونوں پر مخفی باتوں کا اخفاء حقوق زوجیت کی ادائیگی پر ہی ہوتا ہے۔ اور ایک دوسرے کے خیالات، سوچ، نظریات، پسند ناپسند، عادات و اطوار کا علم بھی کچھ عرصہ اکٹھے رہنے کے بعد ہوتا ہے۔ مردوں کو نصیحت کی گئی کہ اگر کسی بھی وجہ سے بیوی میں ان کیلئے ناپسندیدگی اور بے رغبتی کا پہلو ہو تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا ممکن ہے کہ کسی بھی چیز کو کوئی ناپسند کرے مگر اللہ نے اس کیلئے اس میں بہت بھلائی پوشیدہ رکھی ہو۔ لیکن اس کے باوجود اگر تمہارا فیصلہ یہ ہے

وَإِنْ أَرَدتُّمُ ٱسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ''اور اگر تم نے ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنے کا ارادہ کر لیا ہے
وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا اور ان میں سے کسی ایک کو مال و دولت کا ڈھیر دیا ہو
فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ تو (اگر اس ارادے کو عملی جامہ پہناتے ہو تو) اس میں سے کچھ شئے واپس نہ لو''۔ (حوالہ النساء۔۲۰)

مرد کی طرح عورت کے بھی احساسات و جذبات ہیں۔ اس کیلئے بھی خاوند میں ناپسندیدگی اور ناگواری کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں اس نکتے کو نوٹ کرنے کی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اس حوالے سے بیان کرنا پسند نہیں فرمایا جو خاوند بیوی کے مابین خلیج پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ عورت پیکرِ حیا ہے۔ بہت سی باتوں کو کھلے انداز میں بیان کرنا اور ان کا اظہار کرنا اس کیلئے ممکن اور زیبا نہیں۔ عورت کی نفسیات میں بیباکی نہیں أَوَمَن يُنَشَّؤُا۟ فِى ٱلْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى ٱلْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿١٨﴾ ''کیا وہ جسے زیور (شرم و حیا کا لباس) میں پالا جاتا ہے اور وہ جھگڑے میں غیر واضح ہے؟'' (الزخرف۔۱۸)۔ خاوند بیوی کے مابین معاملات کو سلجھانے اور فیصلے کرتے وقت معاشرے، وکیلوں اور عدالت کو اس باریک اور نفیس نکتے کا احساس رکھنا چاہئے۔ عدالتوں میں خواتین سے بے جا اور ذو معنی بیہودہ سوالات کرنا انہیں ناجائز ہراساں کرنے کے مترادف ہے۔

اور جن عورتوں سے نشوز کا احتمال ہو اور نصیحت کارگر نہ ہو تو وَٱهْجُرُوهُنَّ فِى ٱلْمَضَاجِعِ ''اور خواب گاہ کے اندر انہیں الگ کر دو''۔ خاوند بیوی معاملات کو خود سلجھانے کی کوشش کریں۔ گھروں میں خوابگاہ خاوند بیوی کے لئے دو دریاؤں کے سنگم کا مقام مَجْمَعَ ٱلْبَحْرَيْنِ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ''خواب گاہ میں علیحدہ'' کرنے کے بعد بھی عورت کے رویئے میں تبدیلی نہ آنے کی صورت میں خاوند کا اگلا قدم یہ بتایا گیا کہ بیوی کے ساتھ 'تعلقات' میں کھچی ہوئی دیوار کو عیاں کرنے کیلئے اب اسے خواب گاہ سے (گھر سے نہیں) ''ٱضْرِبُوهُنَّ'' ہٹا دیا جائے، باہر کر دیا جائے، اپنے اور اس کے درمیان حد فاصل کھینچ دی جائے جس سے گھر کے دوسرے افراد کو بھی ناچاقی کے بارے میں علم ہو جائے گا۔ خواب گاہ میں سے بیوی کو باہر نکالنا ڈھنڈورا پیٹنے کے مترادف ہے کہ خاوند اور بیوی کے تعلقات میں شدید ناچاقی اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے ''اور اگر تم لوگوں کو ان دو ایک جان (میاں بیوی) کے درمیان قطع تعلق کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث (نمائندہ) مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔ وہ دونوں (معاملے کی) اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا اور (دلوں کے بھیدوں سے بھی) باخبر ہے'' (النساء۔۳۵)

اور اب قرآنِ مجید میں بیان کردہ حقوق زوجیت کے تعلقات استوار کئے ہوئے خاوند بیوی کے مابین قانون طلاق کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

لَّا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ

''اللہ تمہاری بے معنی قسموں کیلئے تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا۔

مگر ان قسموں کیلئے تمہارا مواخذہ کرے گا جو تم نے دل سے عزم اور ارادے سے کھائی ہوں'' (حوالہ البقرۃ۔۲۲۵)

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا۟ ٱلطَّلَـٰقَ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾

''جو لوگ جو ایلاء (بیویوں سے حقوق زوجیت سے باز رہنے کی قسم کھانا) کرتے ہیں ان کیلئے مہلت چار ماہ کی ہے۔

اس لئے اس دوران اگر واپس لوٹ آئیں تو اللہ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔

اور (لیکن) اگر طلاق کا عزم کرلیں تو بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے'' (البقرۃ۔۲۲۶۔۲۲۷)

اللہ تعالیٰ زبان سے اٹھائی ہوئی لغو، بے معنی قسموں کو در خور اعتناء نہیں سمجھتا اور قابل مؤاخذہ نہیں گردانتا۔ اس کے برعکس دل سے کھائی ہوئی قسموں کو قابل مؤاخذہ قرار دیا گیا ہے۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟ ایک قلب وذہن کے عزم وارادہ کے بغیر زبان کی نوک سے ادا ہوتی ہیں جبکہ دوسری قلب وذہن کے عزم اور ارادے کی ضمانت پر زبان کی نوک پر دانستہ آتی ہیں۔ اللہ کے اصول اٹل ہیں اور ان میں تفاوت نہیں۔ اصول یہ ہے

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَبِٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾

''اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ''ہم اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے ہیں'' اور وہ درحقیقت مومن نہیں'' (البقرۃ۔۸)

منہ، زبان سے ایسے لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں

إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُنَـٰفِقُونَ قَالُوا۟ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ ٱللَّهِ ۗ

''جب آپ (ﷺ) کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ''ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں''

وَٱللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُۥ

''اور اللہ جانتا ہے یقیناً آپ اس کے رسول ہیں''۔ کہنے اور جاننے، ارادے، عزم کا اصل فرق ہے

وَٱللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ ٱلْمُنَـٰفِقِينَ لَكَـٰذِبُونَ ٥

''اور اللہ گواہی دیتا ہے یقیناً منافقین جھوٹے ہیں'' (سورۃ المنافقون۔۱)

واضح ہوا کہ قلب وذہن کے عزم وارادے کے بغیر محض زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ادائیگی کو اللہ رب العزت ایمان نہیں مانتا۔ اللہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت بیان کرنے اور سب سے زیادہ قدر و قیمت رکھنے والے الفاظ کو بھی درخور اعتناء نہیں سمجھتا اگر قلب وذہن کے عزم وارادہ کے بغیر محض زبان سے ادا کیئے جائیں۔ مرد اور عورت کے تمام رشتوں سے ممیّز کرنے والے خاوند بیوی کے مابین اس مخصوص تعلق کو منقطع کرنے والے معاملے پر قانون، ہدایات دینے سے قبل ہمیں ایک اٹل اصول بتایا گیا ہے۔اس لئے ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے،ہمیں اس اصول کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ قانونِ طلاق میں اس کی حیثیت بنیادی نوعیت کی ہے۔

خاوند بیوی میں اختلافات اور رنجش کی منتہا یہ ہے کہ اپنے مابین اس تعلق کو منقطع کرلیں جو انہیں دنیا کے تمام مردوں عورتوں سے ممیّز کرتا ہے یعنی خاوند اپنی بیوی کو خوابگاہ سے باہر نکال کر گھر کے افراد پر کھلم کھلا اظہار کر دے کہ ان کے مابین حقوق زوجیت کے تعلقات منقطع ہیں۔اس صورتحال میں مرد عورت کے خاندان کو معاملے کو سلجھانے کیلئے مداخلت کرنے کا کہا گیا ہے کہ فریقین کی جانب سے ثالث مقرر کر کے ان کے مابین اصلاح کی کوشش کی جائے۔ لیکن ایک ایسی صورتحال بھی ہوسکتی ہے کہ خاندان کو خاوند بیوی کے مابین حقوق زوجیت کے انقطاع کا علم ہی نہ ہوسکے۔یعنی خوابگاہ میں سے بیوی کو نکالے بغیر خاوند اپنے دل میں اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی قسم کھالے۔ خاوند بیوی کے رشتے کو عورت اور مرد کے بیچ تمام رشتوں سے جو چیز ممیّز کرتی ہے وہ حقوق زوجیت ہی ہیں۔سب جانتے ہیں کہ خاوند حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود حقوق زوجیت خاوند بیوی کا انفرادی اور ذاتی معاملہ ہے۔معاشرے کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ خوابگاہ میں خاوند بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرتا ہے یا خاوند نے قسم کھا رکھی ہے اور بیوی کو الگ کر رکھا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس صورتحال کو پسندیدہ قرار نہیں دیا اور حکم دیا کہ چار ماہ کی مہلت ہے۔اس حکم کے نتیجے اور تعمیل میں مہلت کے دوران خاوند کیلئے مندرجہ ذیل دو باتوں میں سے ایک فیصلہ کرنا لازم ہے:۔

(۱) فَإِن فَآءُو

‘‘پھر اگر وہ قسم پلٹا،لوٹا دیں،لوٹ جائیں[معاملہ ان دو کے درمیان رہے گا] پھر بیشک اللہ بخشنے والا،بہت رحم کرنے والا ہے۔

(۲) وَإِنْ عَزَمُوا۟ ٱلطَّلَـٰقَ

’’اور اگر ان خاوندوں نے طلاق کا عزم (پختہ ارادہ) کیا ہے، تو پھر بیشک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

حقوق زوجیت سے باز رہنے کی قسم سے پلٹ آئے تو اللہ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔ حقوق زوجیت سے باز رہنا خاوند بیوی کی تنہائی کا انفرادی معاملہ ہے۔اللہ کے سوا کوئی گواہ نہیں۔ یہ قسم قابل مؤاخذہ ہے۔ارادے سے کھائی ہوئی قسموں کو پورا نہ کرنا موجب مؤاخذہ ہے۔ لیکن سبحان اللہ! رحمت للعالمین ﷺ کا رب یہ قسم توڑنے کی ترغیب دے رہا ہے یہ بتا کر کہ وہ بڑا بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ یارب! حقیقت یہ ہے کہ تیرے رحم کی وسعتوں کا ہم اندازہ ہی نہیں کر پاتے۔

لیکن اگر قسم نہیں توڑی بلکہ عزم کر لیا ہے طلاق کا تو خبر دار کیا کہ اللہ یقیناً سننے والا، جاننے والا ہے۔ حقوق زوجیت کو معطل کرنے کا کھلم کھلا سنایا گیا اعلان طلاق ہے۔ ایلاء خاوند کا انفرادی اور مستور معاملہ ہے۔ طلاق انفرادی اور مستور معاملہ نہیں۔ ایلاء خاوند کا انفرادی اور ذاتی معاملہ ہے لیکن طلاق معاشرتی معاملہ ہے۔ ایلاء خاوند بیوی کے مابین معاملہ ہے جس کا گواہ اور قسم کو توڑنے کو جاننے والا صرف اللہ ہے۔ طلاق میں ان تین کے علاوہ معاشرہ بھی شامل ہے۔ طلاق کے سنائے اور جانے جانے کے بعد کے تمام مراحل میں معاشرے کے دستور (معروف) کا عمل دخل ہوگا کہ بات اب خوابگاہ اور خاوند کے دل سے باہر زبان پر آ گئی ہے۔

ان آیات سے واضح ہے کہ طلاق کوئی ایسا معاملہ نہیں جو پلک جھپکنے کے دورانیے میں وقوع پذیر ہو جائے۔ طلاق ایک لفظ ''طلاق'' کی زبان سے ادائیگی کا نام نہیں کہ وقتی جذباتی اشتعال، انتہائی غصے کی حالت جو عقل وفہم ماؤف کر دے، یا نشے میں دھت حالت میں تین مرتبہ زبان سے نکلنے پر عزم وجستجو کے بعد ہوش وحواس میں گواہوں کی موجودگی میں کئے گئے عقد نکاح کو منقطع کر دے۔ سوال یہ ہے کہ جب ہوش وحواس میں ہوئے بغیر جس کی تصدیق گواہان بھی کریں نکاح ہو نہیں سکتا تو ایسا نکاح ہوش وحواس سے بیگانہ حالت میں زبان سے نکلے یا پھسلے ہوئے لفظ ''طلاق'' سے ٹوٹ کیونکر سکتا ہے؟ کیا کسی معاشرے، عدالت نے لین دین کے عہد، معاہدہ، عقد کو ایک فریق کی جانب سے محض جذبات میں آ کر یا نشے کی حالت میں اسے توڑنے کے زبانی اعلان کو تسلیم کیا ہے؟ مرد عورت کے نکاح کے بیچوں بیچ بھی معاشی معاملہ اور پہلو رکھا گیا ہے۔

ایک سوچے سمجھے، نتائج سے باخبر ارادے کے نتیجے میں طلاق ظہور پذیر ہوتی ہے۔ وَإِنْ عَزَمُواْ ٱلطَّلَـٰقَ طلاق مشروط ہے عزم سے۔ عزم کے معنی کسی بات کا فیصلہ کر کے اس پر پختگی سے جم جانا ہیں۔ (تاج) ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی معاملہ کو حتمی اور قطعی کرنے کے ہوتے ہیں۔ الفاظ کسی تصور، فکر، نظریے، ارادے، فیصلے کی نشاندہی اور اس کا اظہار کرتے ہیں۔ الفاظ کی ادائیگی اگر نتیجہ ہو ارادے اور عزم کے اظہار کا تو ان کے معنی، مفہوم اور قانونی حیثیت ہوتی ہے وگرنہ کھوکھلے الفاظ ہیں جو کسی بھی معاملے کی قانونی حیثیت میں تبدیلی کا موجب نہیں بن سکتے۔ بے سوچے سمجھے نتائج سے بے پرواہ اشتعال، غصے اور نشے میں دھت حالت میں ''عزم'' موجود نہیں ہوتا کہ ارادے اور عزم کا تعلق دل ودماغ سے ہے اور جب 'عزم' موجود نہیں تو الفاظ چاہے کتنی بار بھی زبان سے دہرائے جائیں ان کی اپنی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں۔ یہ صرف منہ کی بات ہے جیسے ارادے کے بغیر اٹھائی گئی قسموں پر کوئی مؤاخذہ نہیں کہ ان کی حیثیت منہ سے نکالے گئے بے قدر وقیمت الفاظ سے زیادہ نہیں کہ انہیں درخور اعتناء سمجھ کر کوئی اہمیت دی جائے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۴ میں کہا گیا ہے کہ ''جو تم اپنی بیویوں کو ماں کہہ دیتے ہو تو اللہ نے انہیں تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ ہی تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے یہ تو تمہارے منہ کی باتیں ہیں''۔ اور سورۃ المجادلۃ کی آیت ۲ میں بھی کہا گیا ہے کہ تم میں جو لوگ

اپنی بیویوں کو اپنی مائیں کہہ دیتے ہیں تو وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ جب اللہ بغیر ارادے کے اٹھائی گئی قسموں کو قابل مواخذہ نہیں گردانتا، قلب وذہن کے تسلیم کئے بغیر محض زبان سے ایمان کے اقرار کو ایمان نہیں مانتا تو ارادے اور عزم کے بغیر محض جذبات میں آکر منہ سے نکلے لفظ ''طلاق'' کو اس قدر طاقت اور اہمیت کا حامل کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے کہ عقدۃ النکاح کو توڑ کر رکھ دے؟

خاوند نے جونہی طلاق دینے کے عزم اور فیصلے سے اپنی بیوی، خاندان، معاشرے کو تحریری یا زبانی طور پر مطلع کر دیا تو قرآنِ مجید کے مطابق وہ مطلقہ کہلاتی ہے۔ عزم اور ارادے کا اظہار زبان سے ایک بار کر دیا جائے تو بھی اس کی حیثیت، اہمیت اور قوت اتنی ہی رہتی ہے اگر اس فیصلے کا اعلان سو بار بھی کر دیا جائے۔ یہ عزم اور فیصلے کا اظہار ہے آکشن کی بولی نہیں کہ اسے اختتام پذیر کرنے کیلئے ایک دو تین کہہ کر ہتھوڑا میز پر مارا جائے۔ آکشن کی بولی میں ایک دو تین اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ جب بولی دیئے جانے پر باقی لوگ خاموش بیٹھے رہیں اور تسلسل ٹوٹ جائے تو آکشن کرانے والا موجود لوگوں کو موقع دینے کیلئے اور فیصلے میں شریک کروانے کیلئے وقفے وقفے سے ایک، دو کہتا ہے تاکہ اگر کوئی اس سے بڑھ کر بولی دینا چاہتا ہے تو آواز لگائے وگرنہ تین کہنے پر بولی ختم ہو جائے گی۔ اسی انداز میں بعض لوگ اپنے کسی بھی عزم، ارادے کے پُر زور اظہار کیلئے ایک ہی بات کو ایک مرتبہ سے زیادہ دہراتے ہیں۔ خاوند کی جانب سے زندگی میں اول مرتبہ طلاق دیئے جانے پر مطلقہ بن جانے والی بیویوں کی ذمہ داریوں کے بارے میں یہ قانون بتایا

وَٱلْمُطَلَّقَـٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَـٰثَةَ قُرُوٓءٍ ۚ

''اور مطلقہ عورتوں کو تین ماہواریوں (حیض) تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھنا ہے

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ ٱللَّهُ فِىٓ أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ

اور ان کے لئے حلال نہیں کہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِى ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا۟ إِصْلَـٰحًا ۚ

اور ان کے شوہروں کو اس ایک (فِى ذَٰلِكَ واحد بار) دوران انہیں واپس لینے کا زیادہ حق ہے اگر خاوند صلح صفائی کا ارادہ کریں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ

اور مطلقات کے لئے دستور کے مطابق ویسا ہی ایک (الذی) حق ہے جیسے ان پر شوہروں کا ہے

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ

مگر مردوں کیلئے ان پر ایک درجہ ہے

وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے''۔ (البقرۃ۔۲۲۸)

آیت ۲۲۶ سے ۲۲۸ تک حکم ایک بھی نہیں دیا گیا۔ غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ قانون بیان کیا گیا ہے۔قانون کی شقوں کی تشریح (interpretation) کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن یہ تصور کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی کہ فلاں بات اور فلاں الفاظ شق میں حذف شدہ ہیں۔ قانون کی شقوں میں الفاظ کا تغیر اور حذف اور اضافہ قانون ہی کی دوسری شق سے کیا جاتا ہے۔حقوق زوجیت سے باز رہنے کی قسم کھانے والے مردوں کیلئے لازم قرار دیا گیا کہ چار ماہ کے اندر اندر دو باتوں میں سے ایک فیصلہ کرنا ہے۔قسم سے پلٹ جانا ہے یا طلاق کا عزم کرنا ہے۔ اللہ نے ان دونوں صورتوں میں اپنی مختلف صفات کو بیان کر کے واضح فرما دیا کہ مردوں کا جیسا رویہ اور انداز ہوگا اللہ ان سے ویسا ہی برتاؤ کرے گا۔ قسم پلٹانے پر اللہ کو غفور و رحیم پاؤ گے اور اگر طلاق کا ارادہ کیا ہے تو اللہ سمیع وعلیم ہے۔ اللہ سنتا بھی ہے اور دلوں کے بھیدوں تک کو جانتا ہے۔ یہ دونوں صفات احتساب کا تقاضا رکھتی ہیں۔قسم ہے آقائے نامدار رحمت للعالمین ﷺ کے رب کی! وہ اس خاوند بیوی کے جھگڑے میں صریحاً عورتوں کی جانب ہے۔ کاش کہ ہم سمجھیں!

اور عورتوں کے بارے میں قانونی نکات یہ طے فرمائے کہ مطلقہ بیویوں کو تین حیض تک انتظار میں رہنا ہے۔انہیں اپنے بارے میں انفرادی طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔انہیں یہ اجازت نہیں کہ اگر حمل ٹھہر گیا ہے تو خاوند اور خاندان والوں سے چھپائیں۔اس نکتے کو غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ انتظار کے وقت کا تعین مہینوں اور دنوں سے نہیں کیا گیا۔عورت کا حیض اس کا مخصوص ذاتی معاملہ ہے اور اسے حیض مہینے کی کس تاریخ کو آتا ہے یہ وہ جانتی ہے یا اس کا خاوند جانتا ہے۔حیض کے دورانیہ اور دو حیضوں کے درمیان کے صحیح وقفہ کو بھی وہ دونوں جانتے ہیں۔ بیوہ بننے والی عورتوں کیلئے انتظار کا وقت مہینوں اور دنوں کے حساب سے بتایا گیا ہے کیونکہ عورت کے حیض کا حساب رکھنے والا تو فوت ہو گیا اور کسی دوسرے کو حق حاصل نہیں کہ اس عورت کے حیض کے بارے جانکاری کرے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے طلاق دینے والے مردوں کو اپنے فیصلے کے اعلان کے فوراً بعد سے دنوں کی الٹی گنتی (count down) پر لگا کر دباؤ میں رکھا ہے کہ فیصلے کے بارے میں سوچتے رہیں۔ یہ انتظار صرف اس بناء پر نہیں کرایا جا رہا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ حاملہ تو نہیں کیونکہ جنسی تعلقات منقطع رکھنے کی قسم کے تین ساڑھے تین ماہ بعد (چار ماہ کی مدت کے اندر اندر) اگر خاوند طلاق دے گا تو حمل کے موجود ہونے یا نہ ہونے کا سوال کہاں سے اٹھتا ہے۔حمل کے بارے میں سوال صرف ان عورتوں سے متعلق ہوگا جنہیں تعلقات منقطع کرنے کے فوراً بعد طلاق دی جائے گی۔ انتظار کرانے کا مقصد حقیقت میں خاوند کو موقع فراہم کرنا ہے کہ اس دوران اپنے فیصلے پر غور و فکر اور نظر ثانی کر لے۔طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے حلال نہیں کہ اگر حمل ٹھہر گیا ہے تو اس بات کو خاوند اور خاندان والوں سے چھپائیں کیونکہ خاوند کے لئے یہ بات بھی فیصلے پر نظر ثانی کرنے کا باعث بن سکتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عدت کی مدت پھر تین حیض نہیں رہے گی بلکہ بڑھ کر بچے کی پیدائش ہو جائے گی (الطلاق ۔۴)۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ عجلت میں خاندان کی اکائی میں بندھے خاوند بیوی بکھر کر الگ ہو جائیں۔

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓاْ إِصْلَـٰحًا قرآنِ مجید کے طے کیے ہوئے قانون طلاق کی یہ انتہائی اہم شق ہے اور انتہائی واضح بھی اگر اسے قرآنِ مجید ہی کے الفاظ میں پڑھیں۔ وَ''معنی اور۔ بُعُولَتُهُنَّ ''ان مطلقہ عورتوں کے خاوندوں''۔ أَحَقُّ ''حق زیادہ ہے، یا زیادہ حق دار ہیں'' بِرَدِّهِنَّ ''ان مطلقہ عورتوں کو واپس لینے کے'' فِي ذَٰلِكَ ''اس ایک دوران'' إِنْ أَرَادُوٓاْ إِصْلَـٰحًا ''اگر طلاق دینے والے خاوند اصلاح کا ارادہ کریں''۔ اس شق میں بیان کردہ قانون اس بات سے مشروط ہے اور صرف اس صورت میں نافذ العمل ہے اگر طلاق دینے والے خاوند اصلاح کرنے کا ارادہ کریں۔ اگر طلاق دینے والے خاوند اصلاح کے ارادے کا اظہار کردیں تو قانون یہ ہے کہ ''ان کا حق زیادہ ہے، وہ زیادہ حق دار ہیں کہ مطلقہ عورتوں کو واپس لیں فِي ذَٰلِكَ اس ایک دوران''۔

أَحَقُّ ''زیادہ حق دار''۔ یہ لفظ مقابلے کیلئے بولا جاتا ہے۔ ایک کی نسبت جب دوسرے کا حق زیادہ ہو تو یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ خاوندوں کے مقابل دوسرے حق دار مرد کون ہیں جن کی نسبت طلاق دینے والے خاوندوں کو زیادہ حق دار قرار دیا گیا ہے؟ کوئی مرد بھی نہیں ان کے مقابل مسئلے کا دوسرا فریق ان کی مطلقہ بیویاں ہیں۔
وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِي عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ''اور ان مطلقہ عورتوں کیلئے اس کے مثل ایک حق ہے جیسا ان پر ہے، دستور کے مطابق''۔ کسی صورت مِثْلُ ٱلَّذِي ''اس ایک کے مثل'' کے معنی اور مفہوم یہ نہیں بنتا کہ ''مطلقات کی جیسی ذمہ داریاں ہیں ویسے ان کے حقوق ہیں''۔ جیسے ایک زیادہ حق ان کے خاوندوں کا ان پر ہے اس کے مثل ایک زیادہ حق ان کا ان کے خاوندوں پر ہے۔
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ''اور مردوں کیلئے ان مطلقات پر ایک درجہ (سبقت، برتری) ہے''۔ یہاں مردوں اور عورتوں کی بات نہیں ہو رہی۔ خاوندوں اور مطلقات کی بات ہو رہی ہے۔ خاوندوں کا مطلقات پر ایک حق زیادہ ہے اور اس کے مثل ایک حق مطلقات کیلئے زیادہ ہے۔ جب ایک جیسا حق دو فریقوں کو ہو تو طے کرنا پڑتا ہے کہ اس حق کے استعمال میں فریقین میں برتری، سبقت، پہل کسے حاصل ہوگی۔ بتا دیا گیا کہ مردوں کو حق کے استعمال میں برتری حاصل ہوگی۔ ''اس ایک دوران خاوندوں کے حق کو مقدم'' قرار دینے کے قانون سے ایک فریق کو برتری، غلبہ دینے کا تاثر ابھرتا ہے۔ دوسرا فریق معترضانہ گمان میں مبتلا نہ ہو واضح فرما دیا کہ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ اور حقیقت میں غالب اللہ ہے اور اس قانون میں پنہاں دانائی اور حکمت پر توجہ مرکوز کروانے کیلئے بتا دیا کہ اللہ رب العزت حکیم ہے۔

اگر طلاق کا سبب یہ ہے

وَإِنۡ أَرَدتُّمُ ٱسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٖ مَّكَانَ زَوۡجٖ 'اور اگر تم نے ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کرلیا ہے'

(حوالہ النساء ۲۰) تو أَحَقُّ ''زیادہ حق دار'' اور وَلَهُنَّ مِثۡلُ ٱلَّذِي عَلَيۡهِنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ ''اور ان مطلقہ عورتوں کیلئے اس کے مثل ایک حق ہے جیسا ان پر ہے دستور کے مطابق'' کی نوبت نہیں آئے گی لیکن اگر طلاق دوسری وجوہات سے ہو تو ایسا ہوسکتا ہے کہ:

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٖۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ أَن تَأۡخُذُواْ مِمَّآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ شَيۡـًٔا إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِۖ فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيمَا ٱفۡتَدَتۡ بِهِۦۗ تِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَعۡتَدُوهَاۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿۲۲۹﴾

''طلاق دو بار ہے۔ پھر دستور کے مطابق روک لینا ہے یا دستور کے مطابق چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہارے لئے حلال نہیں کہ اس میں سے جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو کچھ بھی واپس لو سوائے اس جوڑے (یعنی خاوند بیوی) کے جن دونوں کو ڈر ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ اور اگر تم لوگوں کو ڈر ہو کہ کوئی خاوند بیوی اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اس خاوند بیوی پر (اس بات میں) کوئی حرج، مذائقہ نہیں کہ اس کیلئے عورت فدیہ میں کچھ واپس دے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ظالم ہیں''۔ (البقرۃ۔۲۲۹)

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٖۗ ''طلاق دو بار ہے۔ پھر دستور کے مطابق روک لینا ہے یا دستور کے مطابق چھوڑ دینا ہے''۔ قرآنِ مجید نے البقرۃ کی آیت ۲۲۶ سے آیت ۲۲۹ کے اس جملے تک انتہائی جامع انداز میں قانونِ طلاق کی شقیں بیان فرمائی ہیں۔ قانون کی ان شقوں میں قانون کی کتابوں کی طرح غائب کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد قرآنِ مجید کی قانون طلاق کی شقوں میں استعمال کئے گئے الفاظ کے معنی ومفہوم بتانے کے ساتھ اس قانون کے اطلاق کے متعلق مفصل ہدایات دی ہیں۔

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ کے معنی، مفہوم کیا ہے؟ ٱلطَّلَٰقُ واحد، عمل کا نام ہے۔ ایک ارادے، ایک عزم، ایک فیصلے کے اظہار کا نام ہے۔ مرد اور عورت کے ایک خاص تعلق کو توڑنے کے ارادے کے اعلان کا نام ہے۔ مرد اور عورت کے مابین ایک مخصوص رشتے کو معطل کر کے ختم کرنے کی ابتدا کا نام ہے (طلاق سے خاوند بیوی کے مابین باقی رشتوں خالہ زاد، ماموں زاد، چچازاد وغیرہ کا تعلق ارحام نہیں ٹوٹتا)۔ ایک نکاح کے ٹوٹنے کے عمل کے آغاز کے اعلان کو طلاق کہتے ہیں۔

قرآنِ مجید کے مطابق ٱلطَّلَـٰقُ واحد ہے اس کی تثنیہ اور جمع نہیں۔ ''طَـلـقَتَانِ، دوطلاقیں اور طلاقیں'' کوئی لفظ نہیں ہیں اور جب لفظ موجود نہ ہو تو ''تصور'' (concept) بھی موجود نہیں ہوتا۔ تصور بغیر لفظ کے نہیں ہوتا اور لفظ بغیر تصور کے نہیں ہوتا کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ کسی ایک عمل کو زندگی میں کئی بار کیا جاسکتا ہے، مختلف اوقات اور مواقع پر دہرایا جاسکتا ہے لیکن عمل واحد ہی کہلائے گا تثنیہ اور جمع نہیں۔ جب کسی کام کو پہلی مرتبہ کیا گیا ہو تو قرآنِ مجید کہتا ہے أَوَّلَ مَرَّةٍ ''پہلی، اول بار''، اور کسی کام نے زمانے میں دو مرتبہ ہونا ہو تو یوں بیان کرتا ہے کہ کتاب میں فیصلہ لکھ دیا تھا کہ بنی اسرائیل لَتُفۡسِدُنَّ فِى ٱلۡأَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ دو بار فساد کریں گے (حوالہ الاسراء۔۴) اور یہ مَــــرَّتَيۡــــنِ اس طرح بیان ہوا کہ جب وقت آیا وَعۡدُ أُولَٮٰهُمَا 'دو میں سے اول وعدے کا وقت' اور مَرَّتَيۡنِ کا دوسرا جزو وَعۡدُ ٱلۡأَٓخِرَةِ ''جب آخری وعدے کا وقت آیا'' (حوالہ الاسراء۔۵،۷)۔

أَوَلَا يَرَوۡنَ أَنَّهُمۡ يُفۡتَنُونَ فِى كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوۡ مَرَّتَيۡنِ ''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر سال میں ایک بار یا دو بار آزمائش میں ڈالا جاتا ہے'' (حوالہ التوبہ۔۱۲۶)۔ مَـرَّتَيۡن میں زمانے، وقت کا حوالہ لازمی شامل ہے۔ اور جب ایک ہی کام کو دن رات میں تین مختلف اوقات میں کرنا ہو تو قرآنِ مجید کہتا ہے ثَلَـٰثَ مَرَّٰتٍ ''تین اوقات''۔

مِّن قَبۡلِ صَلَوٰةِ ٱلۡفَجۡرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ ٱلظَّهِيرَةِ وَمِنۢ بَعۡدِ صَلَوٰةِ ٱلۡعِشَآءِۚ

''فجر کی نماز سے قبل، دوپہر کے وقت جب تم کپڑے اتارتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد'' (حوالہ النور۔۵۸)۔

ان تین اوقات میں ایک ہی نوعیت کا ایک ہی کام، یعنی گھر کے افراد پر پابندی لگانے کی وجہ بتائی ثَلَـٰثُ عَوۡرَٰتٍ لَّكُمۡۚ۔ عورت اور مرد کا یہ رشتہ خوبصورت بھی ہے، پرلطف اور پرسکون بھی ہے، حیا اور تنہائی کا طالب بھی ہے، مقدس ہے اور انتہائی **Sanctity** کا حامل بھی ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے انسان کے تسلسل کا امین بنایا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ ''اے انسانو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت میں سے پیدا کیا وَجَعَلۡنَـٰكُمۡ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْۚ اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تمہارے لئے ایک دوسرے کی پہچان، تعارف بنے'' (حوالہ الحجرات۔۱۳)۔ قسم ہے اللہ رب العزت کی اگر اس رشتے کی اہمیت اور تقدس کی سمجھ آجائے تو لفظ طلاق کو زبان پر لاتے ہوئے دل کپکپاہٹ محسوس کریں گے۔

ٱلطَّلَـٰقُ مَرَّتَانِ ۖ طلاق (ٱلطَّلَـٰقُ) دو بار ہے۔ یہ نہیں کہا کہ ''دو طلاقیں'' ہیں۔ طلاق ایک لفظ کی ایک بار، دو بار، تین بار نیچے اوپر زبان سے ادائیگی کا نام نہیں۔ طلاق ایک فعل کو متعین طریقے سے سرانجام دینے کا نام ہے۔ یہ فعل کیسے انجام دینا ہے؟ کیا قانون میں اس کا طریقہ (Procedure) بتایا ہے؟

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُواْ ٱلْعِدَّةَ ۖ

''اے نبی (ﷺ)! جب تم لوگ بیویوں کو طلاق دیتے ہو تو یہ طلاق انہیں ان کی متعین عدت کیلئے دو اور عدت کو تم خاوند شمار کرو''۔

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ

''ان مطلقہ بیویوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو

وَلَا يَخْرُجْنَ

اور نہ وہ مطلقات خود نکلیں'' (حوالہ الطلاق۔۱)

قانون میں طے شدہ طریقہ کار (Procedure Code) کی اہمیت اور حیثیت سب کو معلوم ہے کہ ان کا عدم احترام قانون کا مذاق بنانے کے مترادف ہے۔ طلاق دینے کا یہ طریقہ کار اختیار کرنے کا حکم قانونِ طلاق کی اِن شقوں کو پورا کرنے کیلئے دیا گیا

وَإِنْ عَزَمُواْ ٱلطَّلَـٰقَ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾

''اور اگر ان خاوندوں نے طلاق کا عزم (پختہ ارادہ) کیا ہے تو بیشک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے''۔

عزم کا اظہار اور اعلان زبان یا تحریر سے کیا جاتا ہے۔ اور گونگا اشاروں کی زبان میں کرتا ہے۔ طلاق کے عزم کا اظہار قانون کی اس شق کے مطابق کرنے کا حکم دیا وَٱلْمُطَلَّقَـٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَـٰثَةَ قُرُوٓءٍ ۚ ''اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھنا ہے'' (حوالہ البقرۃ۔۲۲۸)۔ ''اور تمہاری بیویوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں مگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض نہیں آتا'' (حوالہ الطلاق۔۴)۔ طلاق دینے والے خاوند نے عدت کا تعین کر کے اس مدت کیلئے طلاق دینی ہے اور بیوی اس مدت کے دوران مطلقہ کہلائے گی۔ اور 'مَرَّتَان' کا مادہ 'م ر ر' ہے۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ مِرَّۃً کے معنی ایسی حالت کے ہیں جس پر کوئی چیز مستقلاً چلتی رہے۔

ایک نظر غور سے آیت مبارکہ کو پڑھیں۔ ''تین طلاقیں'' دینے کی بات نہیں ہو رہی۔ طلاق دو عدت کیلئے اور اس کو شمار کرو۔ بات کو محض اندازوں پر نہیں رہنے دیا بلکہ شمار کرنے میں انتہائی سنجیدگی اختیار کرنے کیلئے خبردار کرتے ہوئے فرمایا

وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ ''اور اپنے رب اللہ سے ڈرو''۔

طلاق کے عزم کو عملی جامہ پہنانے کا انداز بتا دیا کہ ان کی مقرر کردہ عدت کیلئے طلاق دو اور عدت کو شمار کرو۔ خاوند کے علاوہ معاشرے کو یہ بات معلوم نہیں کہ اس کی بیوی کی عدت تین حیض ہے یا تین مہینے ہے (عمر کے ایک حصے میں حیض کی گڑ بڑ (irregularity) کی وجہ سے شک پیدا ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں تین حیض کی بجائے تین ماہ عدت قرار دی اور جن کے مکمل بند ہو گئے ہیں ان کیلئے بھی عدت تین ماہ ہے۔ حیض پینتیس سال کی عمر سے کم میں بھی آنا بند ہو جاتے ہیں (Premature Menopause) جس کا سبب بعض بیماریاں ہوتی ہیں۔ اور اگر کسی بیوی کی دونوں بیضادانی کو کسی بیماری کی بناء پر جسم سے نکال دیا جائے تو اس عورت کو بھی حیض آنا بند ہو جاتا ہے)۔ طلاق دینے والے خاوند کو معلوم ہے کہ اس کی بیوی کی عدت کا پیمانہ کیا ہے اس لئے اُس نے اس متعین عدت کیلئے طلاق دینی ہے اور أَحۡصُواْ امر کا صیغہ، جمع مذکر حاضر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ طلاق دینے والے خاوند عدت کی مدت کو شمار کرتے رہیں اور مطلقہ يَتَرَبَّصۡنَ انتظار میں رہیں۔ خاوند نے بیوی کو طلاق دے تو دی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی توجہ کا مرکز اسی مطلقہ کو بنا کے رکھ دیا ہے۔ دباؤ میں کر دیا ہے اسے الٹی گنتی count down میں لگا کر۔ سبحان اللہ! خاوند کے دل میں لوٹ آنے کا احساس اور شوق پیدا کرنے کا کیا لطیف انداز ہے لَا تَدۡرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذَٰلِكَ أَمۡرًا ''تو نہیں جانتا کہ شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات/امر پیدا کر دے'' (حوالہ الطلاق۔۱)

؎ لوٹ آئے نہ کسی روز وہ آوارہ مزاج   اسی آس پہ کھلا رکھتے ہیں در شام کے بعد۔

طلاق کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگر بیوی اپنی خواہش سے طلاق نہ لے تو یہ حساس عورت کے دل کو چھلنی کر دیتی ہے

؎ کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے   بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی   (پروین شاکر)

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ ۖ اور ''مَـرَّتَانِ'' کا مادہ ''م ر ر'' ہے۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ مِـرَّۃٌ کے معنی ایسی حالت کے ہیں جس پر کوئی چیز مستقلاً چلتی رہے۔ طلاق عدت کی مدت تک چلتی رہے گی اور پھر زندگی میں اول یا دوم مرتبہ طلاق دینے کے عزم و ارادے کے اظہار، اعلان کا نتیجہ کیا نکلنا ہے؟ اگلا قدم کیا ہے؟ قانون کیا کہتا ہے؟ قانون یہ ہے فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ ''پھر دستور کے مطابق روک لینا ہے''۔ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٍ ۗ ''یا نیک سلوک سے چھوڑ دینا ہے''۔ اس قانون نے حتمی انداز میں واضح کر دیا کہ زندگی میں دونوں بار مرد کے طلاق دینے کے عزم کے باضابطہ اظہار سے ''طلاق'' وجود پذیر، حتمی نہیں ہو جاتی۔ طلاق کے عزم کے باضابطہ اظہار، اعلان کے بعد متعین مدت میں إِنۡ أَرَادُوٓاْ إِصۡلَٰحًا ۚ ''اگر طلاق دینے والے خاوند اصلاح کا ارادہ کریں'' تو ارادے میں تبدیلی پیدا ہونے کی صورت میں طلاق کے عزم کو واپس لے لیا اور صلح صفائی ہو گئی تو طلاق کی بات ختم ہو گئی لیکن معاشرے کے ریکارڈ پر یہ بات آ جائے گی اور رہے گی کہ زندگی میں طلاق کا حق ایک یا دو بار استعمال ہو چکا۔

قانون میں بعض الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اور مفہوم طے کر دیئے جاتے ہیں اور جس قانون میں جیسے وہ طے کئے گئے ہوں اس کے اطلاق کیلئے ان لفظوں اور اصطلاحات کے معنی اور مفہوم وہی لیا جاتا ہے جو طے کر دیا گیا چاہے معاشرے میں انہیں کچھ اور معنی بھی پہنائے جاتے ہوں۔'' فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ '' کا انداز، تصور اور طریقہ کیا ہے اس بارے میں بتایا

وَلَا تُمۡسِكُوهُنَّ ضِرَارٗا لِّتَعۡتَدُواْۚ

''اور ان کو اس لئے نہ روکو کہ (مقصود) دکھ، تکلیف دینا ہو کہ (اللہ کی حد سے نکلنے کی) زیادتی کرو''۔

اس بات کا تعلق دل میں موجزن خیال سے ہے۔ خاوند کیلئے ممکن ہے کہ روکنے یا چھوڑنے والی بات میں سے کسی ایک کو بھی انجام نہ دے۔ وہ چھوڑے بھی نہ اور حقیقت میں روکے بھی نہ۔ (بات عریاں کئے بغیر بھی سب کو سمجھ آتی ہے) خبردار کیا

وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهُۥۚ ''اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو اس نے حقیقت میں اپنے اوپر ظلم کیا'' (حوالہ البقرۃ۔۲۳۱)

مطلقہ بیوی کو روک لینے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ صدق دل سے روکنا چاہتے ہو۔ انہیں روکنے کا مقصد دکھ دینا اور زیادتی کرنا نہ ہو۔ اور جو کوئی دکھ اور ایذا دینے کی نیت سے مطلقہ کو روکتا ہے حقیقت میں ظلم اپنے آپ پر کرتا ہے۔ اور اس بات کی اہمیت کو مزید اجاگر اور زیادہ سنجیدگی سے لینے کیلئے بتایا کہ جان رکھو کہ اللہ ہر بات کو جانتا ہے، دلوں کے بھیدوں تک۔ خاوندوں کو یہ حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اس لئے کہ قرآنِ مجید کے قانون طلاق کے مطابق پہلی مرتبہ طلاق کے موقعے پر اگر خاوند اسے واپس اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو بیوی کیلئے لازم ہے کہ اس کی زوجیت میں رہے۔

فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ یعنی مطلقہ کو روکنا خلوص نیت سے ہے وگرنہ اللہ کی آیات کو ہنسی مذاق بنانے کے مترادف ہوگا

وَلَا تَتَّخِذُوٓاْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ هُزُوٗاۚ ''اور اللہ کی آیات کو ہنسی مذاق نہ بنالو'' (حوالہ البقرۃ۔۲۳۱)۔

ایک امکان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روکنے کا مقصود کچھ اور ہو۔ فرمایا

وَلَا تَعۡضُلُوهُنَّ لِتَذۡهَبُواْ بِبَعۡضِ مَآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ

''اور انہیں اس لئے مت روکو کہ تم اس میں سے جو تم نے انہیں دیا ہے کچھ (واپس، ہتھیا) لے جاؤ'' (حوالہ النساء۔۱۹)

عربی زبان کا حرف ''ف'' ترتیب کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی یہ ہوا، پھر یہ ہوا۔ تعقیب کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک واقعہ کے بعد جتنی مدت میں دوسرا واقعہ ہونا ہوتا ہے وہ اس مدت میں واقعہ ہوجائے تو اس کا اظہار ''ف'' سے کرتے ہیں۔ ایک واقعہ کا دوسرے کیلئے سبب بن جانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ ''طلاق دو بار ہے'' کے بعد حرف ''ف'' کے ساتھ جس کام کو

کرنے کا کہا ہے وہ ''اِمساک'' ہے۔اس کا مادہ ''م س ک'' اور معنی کسی کو پکڑ لینا، پکڑ کر رکھنا ہیں۔کسی چیز سے چمٹ جانا (تاج و محیط) (حوالہ البقرۃ ۲۵۶،المائدہ ۴)۔''امساک'' کے مقابل جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ اس کے معنی اور مفہوم کو انتہائی واضح کر دیتے ہیں۔ ''تسریح'' کے معنی کھلا، آزاد چھوڑ دینا ہیں۔''اِمساک'' کے مقابل استعمال ہوئے لفظ فَارِقُوهُنَّ کے معنی جدا کرنا، الگ کرنا ہیں۔سورۃ النساء کی آیت ۱۵ میں بھی انہی معنوں میں آیا ہے فَأَمْسِكُوهُنَّ فِى ٱلْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّىٰهُنَّ ٱلْمَوْتُ ''پھر انہیں گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کے موت انہیں الگ کردے''۔موت جب وفات دیتی ہے تو اس کی اصل حقیقت دوسروں سے الگ کرنا ہے۔

کیا ''فَإِمْسَاكٌۢ'' صرف خاوند کے دل کی خواہش پر ہے کہ دل چاہا تو طلاق دے دی پھر دل چاہا تو بیوی کو روک لیا؟ نہیں! یہ بِمَعْرُوفٍ ہے یعنی دستور کے مطابق،اللہ کے طے کئے ہوئے قاعدے قانون اور معاشرے کے جانے پہچانے اصولوں کے تابع ہے۔اگر پیشگی شرط، قاعدہ قانون نہ ہوتو طلاق دینا اور پھر روک لینا مردوں کا کھیل بن جاتا اور دوسرے فریق کی حیثیت ایک کٹھ پتلی کی سی ہو جاتی۔ازدواجی زندگی میں اول مرتبہ طلاق کی نوبت آنے پر قانون یہ ہے

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِى ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا۟ إِصْلَـٰحًا ''اگر طلاق دینے والے خاوند اصلاح کا ارادہ کریں تو اس ایک دوران مطلقات کے خاوندوں کا زیادہ حق ہے کہ انہیں واپس لیں''۔اصلاح کے معنی ہیں ایسا کام کرنا جس سے خرابی، نقص یا کمی دور ہو جائے۔حسن کارانہ توازن پیدا کرنے والے کام کرنا۔''طلاق دوبارہے''

وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ''اور ان مطلقہ عورتوں کیلئے اس کے مثل ایک حق ہے جیسا ان پر ہے، دستور کے مطابق'' قانون جب دو فریقوں کو ایک دوسرے پر ایک جیسا ایک ایک حق دے تو لازمی امر ہے کہ قانون یہ بھی طے کرے کہ اس حق کو استعمال کرنے میں کس کا حق مقدم ہوگا۔دوبار میں پہلی بار اس حق کو استعمال کرنے کا حق کس کا ہوگا؟ اس کو طے کر دیا گیا ہے

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ''اور خاوندوں کیلئے ان بیویوں پر ایک (مرتبہ فوقیت) درجہ ہے''۔''درجہ'' سیڑھی کے اوپر والے قدم کو کہتے ہیں۔زندگی میں اول بار طلاق دینے کے بعد اگر خاوند معاملات کو سلجھاتا ہے اور بیوی کو روکنے کی خواہش اور ارادہ رکھتا ہے تو بیوی کیلئے لازمی امر ہے کہ اس کے حق کو مقدم جانے اور اس کے ساتھ رہے۔اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی موجودگی میں معاشرے، عدالت کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس معاملے میں فیصلہ بیوی کے حق میں کرے۔اور اگر مرد کا ارادہ معاملات کو سلجھانے اور بیوی کو روکنے، پکڑ کر رکھنے کا نہیں تو پھر قانون کی اس شق پر عمل درآمد ہوگا أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَـٰنٍ ''یا دستور کے مطابق چھوڑ دینا ہے''۔

خاوندوں کو منع کر دیا گیا کہ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ کرتے ہوئے بیویوں کو دی ہوئی چیزوں میں سے کوئی شئے واپس نہ لیں وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ أَن تَأۡخُذُواْ مِمَّآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ شَيۡـًٔا 'اور تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم اس میں سے کوئی شئے لو جو تم انہیں عطا کر چکے''۔ پھر یہ خاوند بیوی کونسے ہیں جنھیں یہ استثناء دیا گیا إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ ''سوائے ان دو (یعنی خاوند بیوی) کے جن دونوں کو ڈر ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے''۔ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ حقیقی معنوں میں یکطرفہ نہیں ہوسکتا۔ شادی اور نکاح باہمی رضامندی اور محبت وانس کا نام ہے۔ فریقین میں سے کوئی ایک اس بندھن کو بارضا ورغبت قائم رکھنے پر راضی نہ ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اس جوڑے میں وہ چاشنی پیدا نہیں کر سکتی جو اس رشتے کا تقاضا ہے۔ حقیقی فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ جبھی ممکن ہے اگر دونوں فریق بارضا ورغبت اس پر راضی ہوں۔ قانون کی یکسانیت یکساں صورتوں پر لاگو ہوتی ہے۔ کسی بھی لحاظ سے مختلف صورتحال میں اس قانون کو سختی سے نافذ نہیں کیا جاتا۔ اللہ کی حدود کو خاوند بیوی کا یہ جوڑا قائم نہیں رکھ سکتا کہ شادی شدہ زندگی میں اللہ کی حدود کو قائم رکھنے کیلئے مکمل ہم آہنگی اور اتفاق ضروری ہے۔ زندگی میں اول مرتبہ طلاق دیئے جانے پر خاوند خلوص نیت سے اصلاح کرنے کا ارادہ کریں تو ان کے حق کو'' ایک دوران'' مقدم قرار دیا گیا ہے کہ مطلقہ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ پر راضی ہو جبکہ طلاق زندگی میں دو مرتبہ دی جاسکتی ہے اس لئے بیوی کو بھی ایک حق دیا گیا ہے

'' وَلَهُنَّ مِثۡلُ ٱلَّذِي عَلَيۡهِنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِ''۔ اگر بیوی دوسری بار طلاق دیئے جانے کی صورت میں خاوند کی خواہش أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَٰنٍ کے برعکس چاہتی ہیں کہ وہ اسے روک لے تو ایسی صورتحال سے دوچار خاوند بیوی کو استثناء دیا گیا کہ دیئے ہوئے مال میں کچھ لین دین کر کے صلح صفائی کر لیں۔ طلاق کی نوبت پہنچنے سے قبل بھی اس قسم کی صورتحال میں بیویوں کو یہ نصیحت فرمائی ہے

وَإِنِ ٱمۡرَأَةٌ خَافَتۡ مِنۢ بَعۡلِهَا نُشُوزًا أَوۡ إِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ أَن يُصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًاۚ وَٱلصُّلۡحُ خَيۡرٞۗ وَأُحۡضِرَتِ ٱلۡأَنفُسُ ٱلشُّحَّۚ وَإِن تُحۡسِنُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ (النساء۔۱۲۸)

''اور اگر کسی بیوی کو اپنے خاوند سے سرکشی یا بے رخی کا ڈر ہو تو اس جوڑے کیلئے کوئی گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح طے کر لیں۔ اور صلح اچھی چیز ہے۔ اور دلوں میں لالچ ہوتا ہے۔ اور اگر تم نیک سلوک کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہارے عملوں سے بخوبی باخبر ہے''۔

زندگی میں اول یا دوسری بار طلاق دینے کی صورت میں اگر خاوند کا ارادہ '' فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ '' کا نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ ہوگا تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۔ اور یہی لازمی نتیجہ ہوگا اگر زندگی میں اول بار بھی بیوی کو طلاق دینے کا محرک یہ ارادہ اور فیصلہ ہو وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ 'اور اگر تم نے ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کرلیا ہے '' تو اس صورت میں تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ یہ ہے وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا ''اور ان میں سے کسی کو مال و دولت کا ڈھیر بھی دیا ہو فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا تو پھر اس میں سے تم کچھ بھی واپس نہیں لو''۔ (حوالہ النساء۔۲۰)

اگر زندگی میں اول یا دوسری بار طلاق دینے پر خاوند کا ارادہ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ کا نہیں تو تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ کے اصول کے تحت مطلقہ الگ ہو جائے گی اور آزاد ہوگی کہ چاہے تو معروف طریقے سے باہمی رضامندی سے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔ اور اس پر بھی کوئی پابندی نہیں کہ طلاق دینے والے خاوند سے دوبارہ نکاح کرلے۔ حکم دیا

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ

''اور جب تم بیویوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت گزار چکیں تو ان کیلئے اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے میں رکاوٹ نہ ڈالو جب وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہوں'' (حوالہ البقرۃ۔۲۳۲)۔

اس طرح واضح ہے کہ زندگی میں دونوں مرتبہ طلاق دیئے جانے کی صورت میں اگر فریقین میں صلح ہو جائے تو فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ ہو جائے گا اور اگر خاوند پہلی یا دوسری مرتبہ اس پر راضی نہیں تو بھی دونوں تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ کے قانون کے مطابق الگ ہو جائیں گے اور یوں طلاق کے قانون میں کسی پیچیدگی کا معاملہ نہیں۔ اس میں بھی کوئی پیچیدگی نہیں اگر پہلی مرتبہ طلاق کے موقعہ پر خاوند اصلاح کا ارادہ کرے تو مطلقہ کیلئے ضروری ہے کہ اس کے حق کو مقدم سمجھے۔ لیکن اب تک کے مطالعہ میں اس صورتحال کے بارے میں قانون کے نکات سامنے نہیں آئے کہ اُس صورت میں کیا حکم ہے اور بیوی کیلئے کیا سبیل ہے اگر خاوند طلاق نہیں دیتا مگر بیوی اس سے الگ ہونا چاہتی ہو کیونکہ حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بعد کے عرصہ میں اگر خاوند کیلئے بیوی میں ناپسندیدگی کے پہلو ہوسکتے ہیں تو یہی بات بیوی پر بھی صادق آتی ہے کہ اس کیلئے اُس خاوند میں ناپسندیدگی کے کچھ پہلو ہوں؟ (بعض باتوں کو کھولے بغیر بھی سمجھ آتی ہے کہ انہیں کھولنے سے عریانی جھلکنے لگتی ہے)۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۹ میں ارشاد فرمایا:

فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيمَا ٱفۡتَدَتۡ بِهِۦۗ

''پھر اگر تم لوگوں کو اندیشہ ہو کہ (کوئی خاوند بیوی) اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے

تو اس خاوند بیوی پر اس بات میں کوئی حرج، مذائقہ نہیں کہ اس کیلئے بیوی فدیہ میں کچھ واپس دے''

اللہ اور رسولِ کریم ﷺ نے خاوندوں کو ایک نصیحت یہ کی ہے

وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ فَإِن كَرِهۡتُمُوهُنَّ ''اور ان بیویوں کے ساتھ دستور کے مطابق باہم زندگی گزارو۔ پھر اگر تم انہیں ناپسند کرو'' (حوالہ النساء۔۱۹)۔ كَرِهۡتُمُوهُنَّ کا مادہ ''ک ر ہ'' ہے اور اس کے معنی مشقت، ناپسندیدگی، جبر و اکراہ ہیں آئمہ لغت کے مطابق یہ دونوں صورتوں میں استعمال ہوتا ہے اگر انسان کا اپنا نفس ناخواستہ طور پر مجبور کرے یا جس پر دوسرا مجبور کرے، جبر کرے۔ ایسا کام جسے طبیعت بادل نخواستہ قبول کرے، بوجھ، مشقت محسوس ہو، کام کرنے کیلئے مجبور ہو جائے یا کر دیا جائے۔ مجبوری اور ناپسندیدگی کی منتہا کراہت ہے۔ ''ک ر ہ'' کے انتہائی معنی کراہت ہیں

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمۡ أَن يَأۡكُلَ لَحۡمَ أَخِيهِ مَيۡتٗا فَكَرِهۡتُمُوهُۚ

''کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ نہیں! تم اسے کراہت انگیز خیال کرو گے'' (حوالہ الحجرات۔۱۲)۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ فَإِن كَرِهۡتُمُوهُنَّ ''اور ان کے ساتھ دستور کے مطابق باہم زندگی گزارو۔ پھر اگر تم انہیں ناپسند کرو فَعَسَىٰٓ أَن تَكۡرَهُواْ شَيۡـٔٗا وَيَجۡعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيۡرٗا كَثِيرٗا ''اور ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم ناپسند کرو مگر اللہ نے اس میں بہت بھلائی رکھ دی ہو'' (حوالہ النساء۔۱۹)۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ ''ک ر ہ'' کی حد کراہت تک جا پہنچتی ہے۔ مردوں کو یہ اجازت بھی دے دی گئی ہے کہ اگر ان کا ارادہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا ہو تو شرط یہ ہے کہ دیئے ہوئے مال و دولت سے چاہے ڈھیروں ہو کچھ بھی واپس نہیں لینا (حوالہ النساء۔۲۰)۔ عورتیں بھی مردوں کی طرح اپنے سینے میں دل ہی رکھتی ہیں۔ ان دلوں میں بھی جذبات و احساسات موجزن ہوتے ہیں۔ پسند اور ناپسند ہوتی ہے۔ خوشبو اور بدبو کا احساس مرد کے مثل ہوتا ہے۔ کشش اور گھن انہیں بھی مثل مرد کے محسوس ہوتی ہے۔ قسم ہے اپنے آقا آقائے نامدار رحمت للعالمین ﷺ کے رب کی! وہ نہیں چاہتا کہ پیکرِ حیا کو اس انتہائی صورتحال میں بھی دادرسی کیلئے معاشرے کے سامنے لب کشائی کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ
لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَـٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

"اے ایمان لانے والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ مجبور کر کے عورتوں کو ورثے میں لئے رہو۔
اور (ان کی ناپسندیدگی، مجبوری کو دیکھتے ہوئے) انہیں روکو نہیں اس خیال سے کہ دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس لے لو
سوائے اس کے کہ وہ کھلی فحاشی کی مرتکب ہوں" (حوالہ النساء۔۱۹)۔

اللہ رب العزت ایمان والے مردوں کے حوصلے اور ظرف بہت بلند دیکھنا پسند کرتا ہے۔ خاوند طلاق دیں تو تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَـٰنٍ ۗ کے قانون کے تحت کوئی شئے واپس نہیں لے سکتے۔ خاوند کو معلوم ہوتا ہے اگر بیوی اسے ناپسند کرتی ہو اور اسے احساس ہوتا ہے کہ بیوی کی ناپسندیدگی کی شدت کتنے پیمانے کی ہے۔ خاوندوں کو نصیحت کی گئی کہ ایسی صورت میں انہیں نہ روکو۔ انہیں روکنے کا نتیجہ بس اتنا سا ہوگا کہ دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس مل جائے گا لیکن غور کرو کس قیمت پر یہ واپس ملے گا۔ بیوی کو لب کشائی کرنا پڑے گی۔ اسے معاشرے کی نگاہوں میں آنا پڑے گا۔ خاوند سے طلاق، فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کیلئے قرآنِ مجید میں دیئے گئے اس قانون، معاشرے اور عدالت کا سہارا لینا پڑے گا۔ ایک ایسی صورتحال بھی پیش آسکتی ہے کہ کوئی خاوند فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ بیوی کو معروف طریقے سے روکنے پر خلوص نیت سے مائل ہے لیکن مطلقہ اس پر راضی نہیں اور تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَـٰنٍ ۗ چاہتی ہو تو پھر اس خاوند بیوی کا مسئلہ پیچیدگی اور جھگڑے کی نوعیت اختیار کر جائے گا کہ ایسی صورت میں تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَـٰنٍ ۗ کا قانون اس ایک خاوند کیلئے خسارے اور پریشانی کا معاملہ بن جائے گا۔ قانون کی یکسانیت یکساں صورتوں پر لاگو ہوتی ہے۔ کسی بھی لحاظ سے مختلف صورتحال میں اس قانون کو سختی سے نافذ العمل نہیں کیا جاتا۔ اللہ کی حدود کو خاوند بیوی کا یہ جوڑا قائم نہیں رکھ سکتا۔ جس خاوند بیوی کا ایسا معاملہ ہوا سے اس اصول، قانون
وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا۟ مِمَّآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ شَيْـًٔا سے ان الفاظ میں استثناء دیا گیا
إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ ۖ "سوائے ان دو (یعنی خاوند بیوی) کے جن دونوں کو ڈر ہو کہ (لئے دیئے بغیر) اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ اور بات کو جاری رکھتے ہوئے معاشرے کو اس مسئلے اور جھگڑے کو نمٹانے کا حل یہ بتایا:
فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا ٱفْتَدَتْ بِهِۦ ۗ "پھر اگر تم لوگوں کو اندیشہ ہو کہ دونوں (خاوند بیوی) اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اس خاوند بیوی پر اس بات میں کوئی حرج، مذائقہ نہیں کہ اس کیلئے بیوی فدیہ میں کچھ واپس دے"

خِفْتُمْ ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ مخاطب معاشرہ ہے۔ خوف کے معنی ہیں قرائن اور شواہد سے کسی آنے والے خطرہ یا نقصان کا اندیشہ کرنا۔ یہاں جس اندیشے کو بعد میں بتائے ہوئے کام کو کرنے کا سبب بنایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایک خاوند بیوی کا جوڑا اللہ کی حدود پر قائم (یُقِیمَا۔ تثنیہ مذکر غائب منفی مضارع) نہیں رہ سکے گا۔ اگر قرائن اور شواہد اس اندیشے پر دلالت کریں تو بتایا کہ اس بات میں اس جوڑے کیلئے کوئی مذائقہ نہیں کہ بیوی فدیہ دے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ فدیہ (مادہ ''ف د ی'') کے بنیادی معنی یہی ہیں کہ کسی چیز کی حفاظت اور بچاؤ کیلئے اس کی جگہ کسی دوسری چیز کو دے دینا۔ مال کے عوض چھڑا لینا۔ قیدیوں کو چھڑانے کیلئے کفارہ دینے کیلئے بھی استعمال ہوا ہے۔ مرد کی ناپسندیدگی یا بیوی بدلنے کا ارادہ طلاق کا سبب ہو تو دیئے ہوئے ڈھیروں مال و دولت میں سے بھی کچھ نہیں لینا لیکن جب بیوی کیلئے خاوند ناپسندیدہ ہو اور اس کی زوجیت اسے ناگوار ہو لیکن خاوند نے پھر بھی اسے روکے رکھا ہو تو حالات کا تقاضہ اور مسئلے کا حل یہی ہے کہ بیوی اس کے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس کرے۔ اگر کوئی ایک بیوی جائز وجوہات کی بنا پر یہ سمجھتی ہے کہ خاوند کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر نہیں کر سکتی تو نکاح کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اللہ کی حدود کا لحاظ جبھی ممکن ہے جب شادی کے دونوں فریق اسے قائم رکھنے میں بطیب خاطر، بارضا و رغبت معاونت کریں۔ اگر بیوی خاوند سے علیحدگی کی خواہش مند ہے تو اس صورت میں ممکن ہی نہیں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھا جا سکے۔ اس لئے معاشرے کو یہ دستور عطا فرمایا کہ عورت فدیہ کی پیشکش کرے۔

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يَتَرَاجَعَآ إِن ظَنَّآ أَن يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾ (البقرۃ۔۲۳۰)

''پھر اگر اُس بیوی کی خواہش اور فدیہ دینے پر خاوند نے بیوی کو طلاق دی تھی تو اس کے بعد وہ (عورت) اس کے لئے حلال نہیں ہے اس وقت (یہاں) تک کہ وہ اس خاوند کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے (اب دوسرے کی منکوحہ ہونے کی بنا پر اس مرد کیلئے حلال نہیں)۔ پھر اگر وہ دوسرا خاوند اس عورت کو طلاق دے دے تو ان دونوں (عورت اور اس کا پہلا خاوند) پر کوئی حرج نہیں کہ آپس میں بندھن کر لیں بشرطیکہ دونوں خیال کریں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ اور یہ ہیں اللہ کی حدیں جنہیں سمجھنے والوں کیلئے واضح کرتا ہے''

(جنہوں نے نہیں سمجھنا ان کیلئے واضح ترین باتوں کو مبہم کہنے میں عار نہیں اور ان کا اشتباہ ختم ہونے ہی کو نہیں آتا)

فَإِن۔ حرف ''ف'' ایک واقعہ کا دوسرے کیلئے سبب بن جانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ سبب کیا تھا؟ ''بیوی فدیہ دے''۔ ''بیوی کے فدیہ دینے کے سبب'' ''بیوی کے فدیہ دینے کی بناء پر''۔ ''اِن'' حرف شرط ہے۔ فَإِن ۔ ''بیوی کے فدیہ دینے کے سبب اگر''

طَلَّقَهَا ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ ''طلاق دی تھی'' اور ''ھا'' ضمیر واحد مئونث غائب ''اُس ایک بیوی''

فَإِن طَلَّقَهَا ''بیوی کے فدیہ دینے کے سبب اگر اُس بیوی کو طلاق دی تھی''۔ فَلَا۔ حرف ''ف'' سبب، وجہ بیان کرتا ہے اور لَا نفی کرتا ہے۔ ''تَحِلُّ'' مضارع کا صیغہ واحد مئونث غائب، ''حلال ہوتی ہے، آئندہ حلال ہوگی''۔ لَا تَحِلُّ ''وہ حلال نہیں ہے آج نہ کل'' کس کیلئے حلال نہیں ہوتی؟ لَهُۥ ''اُس کیلئے''۔ یہ ''اُس'' کون ہے؟ بیوی سے فدیئے میں کچھ لے کر اس کو طلاق دینے والا خاوند

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ پھر اگر اُس بیوی کی خواہش اور فدیہ دینے پر خاوند نے بیوی کو طلاق دی تھی تو اس طلاق کے بعد وہ مطلقہ بیوی اس فدیہ لے کر طلاق دینے والے خاوند کے لئے حلال نہیں ہے اور نہ مستقبل میں اس وقت تک حلال ہوگی۔۔

اپنے خاوند کے نکاح کی ''قید، حصار، قلعہ'' میں سے نکلنے کیلئے فدیہ دے کر طلاق حاصل کرنے والی بیوی فوری طور پر اس خاوند کیلئے حلال عورتوں کی فہرست میں سے خارج ہو جاتی ہے اس لئے اس مطلقہ کو فوری طور پر خاوند سے الگ ہو جانا ہے۔ لیکن ایسی مطلقہ بیویاں جنہیں فدیہ لے کر طلاق نہیں دی گئی بلکہ خاوند نے اپنے عزم کے تحت طلاق دی ہے اپنے خاوند کیلئے بدستور حلال رہتی ہیں عدت کے دوران بھی اور دوبارہ نکاح کیلئے بھی۔ اس لئے ان کے متعلق حکم دیا ہے کہ دوران عدت انہیں اُن کے گھروں سے نہ نکالا جائے اور خود ان مطلقہ عورتوں کو بھی منع کر دیا گیا کہ وہ گھر سے نکل کر خاوند سے الگ نہیں ہوں گی کیونکہ اول مرتبہ طلاق کی صورت میں خاوندوں کا حق مقدم رہتا ہے کہ بیوی کو واپس اپنی زوجیت میں لے لیں۔ فدیہ دے کر خاوند سے طلاق پانے والی مطلقہ عورتوں کے حیض کو اب وہ خاوند شمار نہیں کر سکتے۔ مطلقہ پر یہ قانون لاگو ہے

وَٱلۡمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصۡنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍۚ

''اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھنا ہے

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكۡتُمۡنَ مَا خَلَقَ ٱللَّهُ فِيٓ أَرۡحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤۡمِنَّ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ

اوران کے لئے حلال نہیں کہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں''

ایک خاص صورتحال اور مخصوص خاوند بیوی کے متعلق بات ہو رہی ہے۔ اس لئے جو قانون، اصول اِن کیلئے طے کیا جائے گا اسے ہر طرح کی صورتحال اور ہر طرح کے مردوں عورتوں کیلئے قانون کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ حلال نہ رہنے اور آئندہ حلال نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ حرم قرار پا گئی۔ جب حلال نہیں رہی تو واضح مطلب ہے کہ نکاح ٹوٹ گیا۔ اس نکاح کے بندھن نے اسے لوگوں کیلئے حرام کر رکھا تھا۔ جب نکاح ٹوٹ گیا تو جن لوگوں کیلئے منکوحہ ہونے کی وجہ سے حرام تھی ان کیلئے بغیر کہے سنے حلال قرار پا گئی۔ اب اگر یہ عورت نکاح نہیں کرتی تو اپنے اس خاوند کیلئے تاعمر حرام ہی رہے گی۔ اور اگر کسی مرد سے نکاح کر لے تو دنیا کے دوسرے مردوں کی طرح اس خاوند کیلئے بھی شادی شدہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، جس سے فدیہ دے کر طلاق لی تھی۔

قرآنِ مجید تمام انسانوں کے لئے نازل فرمایا گیا ہے اس لئے ممکن نہیں کہ کسی شخص اور معاشرے کو حلال حرام کے بارے میں کوئی مسئلہ درپیش ہو اور قرآنِ مجید راہنمائی دینے میں خاموش رہے۔ دنیا میں موجود ہر ایک عورت کے بارے میں قرآنِ مجید نے رشتوں

کے حوالے سے نام لے لے کر مردوں کو بتایا کہ وہ نکاح کے لئے حرام ہے(حوالہ النساء-۲۳)۔ان کے علاوہ دنیا کی تمام عورتوں (مشرک اور جرم ثابت ہونے پر زَانِیَۃِ کے علاوہ) کو نکاح میں لانے کے لئے حلال قرار دیا ہے۔رشتوں کے تقدس کے حوالے سے عورتوں کو حرام قرار دینے کے علاوہ شادی شدہ عورتوں کو بھی الگ سے حرام قرار دیا ہے(حوالہ النساء-۲۴) لیکن ایسی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں جو مومن ہے لیکن کافر کے نکاح میں تھی اور ہجرت کر کے چلی آئی ہے(الممتحنۃ ۱۰)۔ فدیہ دیئے جانے پر طلاق دی ہوئی بیوی کو اس خاوند کیلئے حرام قرار دے دیا گیا۔اگر وہ شادی نہیں کرتی تو تا مرگ فدیہ لے کر طلاق دینے والے خاوند کیلئے حرام رہے گی۔لیکن اگر وہ ایک دوسرے شخص کو خاوند بنا لیتی ہے اور وہ بھی اسے طلاق دے دیتا ہے(یا مر جاتا ہے) تو دنیا میں ایک ایسی صورتحال پیدا ہو جائے گی جس میں ایک مرد کیلئے ایک عورت کے حلال حرام ہونے کے بارے میں راہنمائی سورۃ النساء کی آیات میں موجود نہیں۔ زیر مطالعہ آیت میں ایسی صورتحال پیدا ہونے پر بتا دیا گیا کہ کوئی حرج، مذائقہ نہیں اگر یہ مرد عورت پہلے والی حالت میں لوٹ جائیں یعنی اس مرد سے نکاح کر لے جس کے نکاح میں موجودہ طلاق یا بیوگی سے قبل تھی اگر دونوں گمان کریں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔

خاوند کیلئے صرف وہ بیوی حلال نہیں رہتی جس نے فدیہ دے کر طلاق لی ہو۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ’طلاق دو بار ہے‘اس لئے زندگی میں طلاق کی دو مرتبہ نوبت آنے اور مدت عدت گزرنے کے بعد بھی تمام خاوند بیوی ایک دوسرے کیلئے حلال رہتے ہیں۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

’’اور جب تم بیویوں کو طلاق دیتے ہو پھر اپنی مقررہ میعاد پوری کر لیں تو انہیں دستور کے مطابق روک لو یا دستور کے مطابق چھوڑ دو‘‘ (البقرۃ-۲۳۱) اور اس حکم کو اس انداز میں بیان فرما کر مختلف صورتحال کو واضح کیا ہے

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

’’پھر جب وہ اپنی مقررہ میعاد پوری کر لیتی ہیں تو انہیں دستور کے مطابق روک لو یا دستور کے مطابق انہیں جدا کر دو‘‘ (حوالہ الطلاق-۲)

’’بَلَغْنَ‘‘ ماضی کا صیغہ جمع مئونث غائب۔مادہ ’’ب ل غ‘‘، جس کے معنی پہنچنا ہیں۔بلغ صرف اس وقت ہوتا ہے جب ہم ایک حد سے نکل کر دوسری حدود میں پہنچتے ہیں۔جب تک ایک حد سے نکل کر ہم دوسری حدود میں نہ پہنچیں ہوں تو س وقت تک بلغ استعمال کیا ہی نہیں جا سکتا۔سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۱ کے ان الفاظ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ اور الطلاق آیت ۲ کے الفاظ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ کا ترجمہ اور مفہوم بیان کرتے ہوئے بَلَغْنَ کے تسلیم شدہ معنی سے ہٹ کر یہ کہا جاتا ہے کہ امساک ’’دوران عدت‘‘ ہے اور رخصت مقررہ مدت پوری ہونے پر ہے۔دنیا کے عام سے قانون کی کتابوں اور شقوں کیلئے تسلیم شدہ

اصول ہے کہ استعمال کئے گئے الفاظ کو طے شدہ معنی اور ڈکشنریوں اور لغت میں تسلیم شدہ معنی کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں پہنائے جاتے تو قرآنِ مجید کی آیات مبارکہ کے الفاظ کے ساتھ کوئی اور رویہ اختیار نہیں کیا جا سکتا اور نہ کیا جانا چاہئے۔ الفاظ کے تسلیم شدہ معنی سے ہٹ کر ترجمہ اور مفہوم بیان کرنے کی وجہ البقرۃ کی آیت ۲۲۸ کے الفاظ فِى ذَٰلِكَ ہیں جس کے معنی ہیں ''اس دوران''۔ پورا جملہ یہ ہے وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِى ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا۟ إِصْلَٰحًا ۚ ''اس (ایک) دوران ان کے خاوندوں کا زیادہ حق ہے''۔ ''اس ایک دوران'' زیادہ حق کے حوالے سے استعمال ہوا ہے کہ بِرَدِّهِنَّ ''ان مطلقہ عورتوں کو واپس لینے کے'' ''اس دوران زیادہ حق ان کا ہے، یا وہ زیادہ حق دار ہیں'' کا نہ یہ مطلب بنتا ہے اور نہ ہی یہ اخذ ہوتا ہے کہ ''اس دوران'' کے بعد حق داروں کی فہرست سے خارج ہو جائیں گے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ دی ہوئی طلاق میں دورانِ عدت خاوند کا حق ہے کہ اگر وہ معاملات کی اصلاح کر کے بیوی سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو بیوی کو انکار کا حق نہیں۔ لیکن زندگی میں دوبارہ طلاق دے گا تو دورانِ عدت رجوع کرنے پر رضامندی یا انکار کا حق بیوی کا ہے۔ قرآنِ مجید تصریف آیات کے ذریعے ہر بات کو واضح اور کھولتا چلا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید آیات کو پھیر پھیر کر لاتا ہے (بار بار نہیں کہا)۔ جب چیز گھوم گھوم کر نظروں کے سامنے آتی ہے تو اس کی تمام جہتیں، زاویے، انگ، رنگ، نشیب و فراز سب دکھائی دے جاتے ہیں اور بات کو مکمل طور پر سمجھنے میں تشنگی نہیں رہتی۔ بات کو پھیر کر جب بیان کیا جائے تو وہ بات کی وسعت کا احاطہ کرتی ہے اس لئے اسے پہلی کہی ہوئی بات کے ایک زاویئے، ایک جہت میں محدود کرنا نہیں ہوتا۔ سورۃ الطلاق کی آیت ۲ فَإِذَا سے شروع ہوتی ہے۔ حرف ''ف'' کے معنی ہم پڑھ چکے ہیں۔ اور إِذَا ظرف زمان ہے زمانہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور کبھی زمانہ ماضی کیلئے بھی آتا ہے۔ شرط کے مفہوم کے ساتھ ''جب'' ''اس وقت'' کے معنوں میں زمانہ ماضی اور مستقبل دونوں کیلئے آتا ہے۔ فَإِذَا کے بعد بَلَغْنَ کے معنی فِى ذَٰلِكَ کے حوالے سے ''اس دوران'' نہیں کئے جا سکتے۔ قرآنِ مجید نے عدت مکمل ہونے کے بعد مطلقہ کو دستور کے مطابق روکنے یا جدا کرنے کیلئے لوگوں میں سے دو ایسے بندوں کو گواہ بنانے کی شرط عائد کی ہے جو عادل ہوں۔ فَارِقُوهُنَّ پر غور کریں۔ ''پھر انہیں جدا کر دو''۔ سبحان اللہ! لفظ ''جدائی'' غم کا احساس اپنے اندر لئے ہوتا ہے۔

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ياسَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ،فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

یہ روکنے یا چھوڑنے اور جدا کرنے کا دستور کیا ہے؟ دستور کے مطابق یہ روکنا یا دستور کے مطابق یہ چھوڑنا اور جدائی کیا رات کے سناٹے میں خاموشی سے ہو جاتی ہے؟ نہیں! وَأَشْهِدُوا۟ ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا۟ ٱلشَّهَٰدَةَ لِلَّهِ ۚ ''اور اپنے میں سے دو عادل افراد کو گواہ کر لو اور اللہ کی خاطر شہادت قائم کرو'' (حوالہ الطلاق ۔۲)۔ زندگی میں پہلی یا دوسری بار طلاق کے موقعہ پر اگر صلح نہیں ہوئی

اور تَسْرِيحٌ بِإِحْسَـٰنٍ کے اصول کے تحت دیئے ہوئے مال و دولت میں سے کچھ بھی لئے بغیر سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ اور گواہوں کی موجودگی میں فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ کا مرحلہ بھی گزر گیا ہے تو بھی یہ بیویاں حرام کی گئی عورتوں کی فہرست میں شامل نہیں ہو جاتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام قرار نہیں دیا۔ اور اگر اس مطلقہ نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے اسے خاوند نہیں بنالیا تو یہ مطلقہ بیوی اور اس کا خاوند اگر چاہیں تو ایک بار پھر سے نکاح کے بندھن میں بندھ سکتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ إِذَا تَرَٰضَوْا۟ بَيْنَهُم بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِۦ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

''اور جب تم بیویوں کو طلاق دیتے ہو پھر ان کی مدت عدت پوری ہو چکی ہو تو پھر انہیں زبردستی اس سے نہ روکو اگر اپنے خاوندوں سے نکاح کرتی ہیں جب وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہوں۔ یہ نصیحت اسے کی جاتی ہے جو تم میں اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ بات تمہارے لئے موجب خیر و خوبی، بالیدگی، منفعت بخش اور بہت ہی پاکیزہ ہے۔ اور اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے''۔ (البقرۃ۔۲۳۲)

اس آیت میں فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ کے بعد فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ یا سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ نہیں آیا بلکہ حکم دیا گیا فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ ''پھر ان مدت عدت پوری کر لینے والی مطلقات کو زبردستی مت روکو اگر اپنے خاوندوں سے وہ نکاح کرتی ہیں''۔ طلاق کے بعد بھی عورت کی شناخت اس کے پہلے خاوند کے حوالے سے باقی رہتی ہے۔ اور جب دوسرے مرد سے نکاح کرتی ہے تو وہ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ پہلے خاوند کا غیر، اس سے ''مختلف خاوند'' کہلاتا ہے۔ طلاق کے بعد مدت عدت گزر جانے کے بعد جب بھی خاوند بیوی دستور کے مطابق باہمی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو ان طلاق یافتہ بیویوں کو زبردستی اس بات سے نہ روکا جائے کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کر لیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بات کس قدر اہم ہے اسے یہ کہہ کر اجاگر کیا کہ یہ نصیحت تو صرف اسے کی جا رہی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اللہ اور آخرت کو جو کوئی کچھ نہ سمجھے اسے عورت کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کا کیا فائدہ۔ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ ''یہ بات تمہارے لئے موجب خیر و خوبی، بالیدگی، منفعت بخش اور بہت ہی پاکیزہ ہے''۔ حقوق زوجیت ادا کئے ہوئے خاوندوں بیویوں کے بچے ہوتے ہیں۔ ایک مرد اور عورت طلاق سے الگ نہیں ہوتے ایک خاندان بکھرتا ہے۔ اگر خاوند مطلقہ سے دوبارہ شادی کرلے گا تو

یہ معاشرے کیلئے أَزْكَىٰ ہے۔ اس کا مادہ ''ز ک و'' ہے اور معنی نشونما، بالیدگی، پھولنا، پھلنا۔ کاش کہ ہمیں سمجھ آئے اللہ رب العزت نے عورت کو کس مقام ومرتبہ پر فائز کر رکھا ہے۔ کیا عرب کے معاشرے اور آج ہمارے معاشرے یا مسلمانوں کے کسی زمان ومکان کے معاشرے میں کسی مطلقہ کو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے سے بھی کسی نے زبردستی روکا ہے؟

جس بیوی نے فدیئے کے عوض خاوند سے طلاق نہیں لی اس کے علاوہ مطلقہ بیوی نے مقررہ میعاد عدت کہاں پوری کرنی ہے؟ میکے میں؟ نہیں۔ اللہ رب العزت کی اس بات کو انتہائی دھیان سے سننے کی ضرورت ہے لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ (عدت کے دوران) ''انہیں اُن کے گھروں سے نہ نکالو''۔ سبحان اللہ! اللہ اکبر۔ یارب! سچ ہے ہم انسانوں نے تیری وہ قدر نہیں کی جتنا تیری قدر کرنے کا حق ہے۔ خاوند کا گھر حقیقت میں بیوی کا گھر ہے چاہے مطلقہ بن کے دن گزار رہی ہو۔ کاش کے قرآنِ مجید کے الفاظ سماعتوں سے ٹکرا کر ہمارے قلوب میں بھی اتر سکیں کہ عورت کے عزت ووقار اور قدر وقیمت کو جان سکیں۔ اور یہ ہدایت دینے کے بعد فرمایا وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ ''اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے'' (حوالہ الطلاق۔۱)۔ اور ظلم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' (حوالہ آلِ عمران ۵۷، ۱۴۰)۔ ''ظلم کرنے والے فلاح نہیں پایا کرتے'' (حوالہ الانعام۔۲۱)۔ بیوی اور مطلقہ کے ساتھ ہر طرح کے رویئے اور سلوک کو جائز (اور ہر مرد کو عورت سے برتر) سمجھنے والے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو بھی غور سے سن لیں:

وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا ''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اسے اللہ تعالیٰ آگ میں ڈالے گا'' (حوالہ النساء۔۱۴)۔ مطلقہ کو دورانِ عدت گھر سے نکالنا يَتَعَدَّ حُدُودَ میں کیا نہیں ہے؟

قرآنِ مجید میں تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ''یہ اللہ کی حدیں ہیں'' گیارہ مرتبہ آیا ہے۔ ایک مرتبہ وراثت کی تقسیم کے بارے میں اور دس بار حقوقِ زوجیت اور طلاق کے بارے میں آیاتِ مبارکہ میں آیا ہے۔ اللہ کی حدیں عورتوں کے حقوق واحترام کی پاسداری کیلئے ہیں انہیں سنگسار کرنے کیلئے نہیں۔ مجال ہے کہ اس بات سے بھی ہم خوف زدہ ہوں۔ پھر فرمایا:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا۟ ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا۟ ٱلشَّهَـٰدَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِۦ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾

''پھر جب وہ اپنی مدت عدت پوری کر لیں تو انہیں دستور کے مطابق روک لو یا دستور کے مطابق جدا کر دو۔ اور (دونوں صورتوں میں) اپنے میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کر لو اور اللہ کی خاطر شہادت قائم کرو۔ اس طرح اسے نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے خلاصی کی کوئی صورت پیدا کر دیتا ہے'' (الطلاق۔۲)

اگر معاشرہ بن گواہوں کے عورت کو نکاح کر کے پہلی مرتبہ گھر میں لانے کی اجازت نہیں دیتا تو اللہ بن گواہوں کے بیوی کو طلاق کے بعد میعاد عدت پوری ہونے پر امساک کی اجازت نہیں دیتا اور گھر سے نکالنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ قرآنِ مجید میں مردوں کو ان کیلئے حلال عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دیتے ہوئے کہیں بھی اسے گواہوں سے مشروط نہیں کیا گیا۔ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کے حکم کے مطابق گواہوں کی شرط لازم ہے۔ اس شرط کو پورا کئے بغیر کوئی بھی لڑکا لڑکی اکٹھے رہنا شروع کر دیں تو معاشرہ انہیں خاوند بیوی تسلیم نہیں کرتا۔ یہ معاشرتی قدغن ہے۔ یہ معاشرے کی اقدار ہیں۔ اللہ نے اسے بھی معاشرتی اقدار بنانے کا حکم دیا ہے کہ مقررہ میعاد پوری ہونے پر دو عادل بندوں کی موجودگی میں نکاح منقطع ہو اور بیوی گھر سے رخصت، جدا ہو۔ تمام دنیا کی عدالتوں میں شادی اور نکاح کو جبھی تسلیم کیا جاتا ہے اگر اس کی تحریر معاشرے یعنی حکومت کے ریکارڈ میں موجود ہو۔ تمام دنیا میں شادی کے بندھن کیلئے اگر معاشرے (عدالت، حکومت) کی گواہی ضروری ہے تو وہاں شادی کا بندھن منقطع کرنے کیلئے بھی معاشرے کی شہادت ضروری ہے۔ اس امر کو یقینی بنانے کیلئے کہ کوئی بھی شخص اسلامی معاشرے میں اللہ کی حدود کو پھلانگ نہ سکے اور اللہ کی آیات کو مذاق بنا کر نہ رکھ دے یہ اشد ضروری ہے کہ دستور رقانون بنایا جائے کہ نکاح کی طرح زندگی میں طلاق صرف تحریری شکل میں معاشرے رگواہوں رمجاز عدالت کو مطلع کر کے دی جائے گی۔ اور طلاق اس وقت وجود پذیر ہوگی جب عدت کی میعاد ختم ہونے پر گواہوں کی موجودگی میں مطلقہ رخصت ہوگی۔

عدت کی مدت تین حیض ہے۔ لیکن حیض کے حوالے سے بعض دوسرے مسائل بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے واضح فرما دیا گیا:

وَٱلَّـٰٓـِٔى يَئِسْنَ مِنَ ٱلْمَحِيضِ مِن نِّسَآئِكُمْ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَـٰثَةُ أَشْهُرٍ وَٱلَّـٰٓـِٔى لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَأُو۟لَـٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾

''اور تمہاری بیویوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں مگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض نہیں آتا۔ اور حاملہ بیویوں کی مدت یہ ہے کہ ان کے بچہ پیدا ہو جائے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لئے وہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے'' (الطلاق۔۴)۔

عورت کے حیض بند ہونے (Menopause) کی جب عمر آتی ہے تو ان میں تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بند ہو جاتے ہیں لیکن دو تین وقفوں کے بعد ایک آدھ بار آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ عمر کے اس حصے میں حیض کی گڑ بڑ (irregularity) کی وجہ سے شک پیدا ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں تین حیض کی بجائے تین ماہ عدت قرار دی اور جن کے مکمل بند ہو گئے ہیں ان کیلئے بھی عدت تین ماہ ہے۔ حیض پینتیس سال کی عمر سے کم میں بھی آنا بند ہو جاتے ہیں (Premature Menopause) جس کا سبب بعض بیماریاں ہوتی ہیں۔ اور اگر کسی عورت کی دونوں بیضادانی کو کسی بیماری کی بناء پر جسم سے نکال دیا جائے تو اس عورت کو بھی حیض آنا بند ہو جاتا ہے۔ عدت بنیادی طور پر تین حیض ہے اور جن عورتوں کی عمریں حیض بند ہونے کے دنوں والی ہیں جب کبھی حیض آتا ہے اور کبھی نہیں اور جن کے حیض مکمل طور پر بند ہو چکے ان کیلئے عدت تین مہینے ہے۔ اور فرمایا

ذَٰلِكَ أَمْرُ ٱللَّهِ أَنزَلَهُۥٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّـَٔاتِهِۦ وَيُعْظِمْ لَهُۥٓ أَجْرًا ﴿٥﴾

''یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کی برائیاں دور کر دیتا ہے

اور اس کے اجر کو بڑا کر دیتا ہے'' (الطلاق۔۵)

دوران عدت مطلقات کو ان کے گھروں سے نہ نکالنے کا حکم ہے اور اس مدت میں ان کے ساتھ روش اور رویہ کیسا ہونا چاہئے، حکم دیا

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا۟ عَلَيْهِنَّ ۚ

''(عدت کے دوران) انہیں اسی انداز میں رکھو جس میں خود رہتے ہو، اپنی حیثیت کے مطابق۔ اور انہیں تنگ کرنے کیلئے تکلیف نہ دو۔

وَإِن كُنَّ أُو۟لَٰتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا۟ عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ

اور اگر حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ ان کے بچہ پیدا ہو'' (حوالہ سورۃ الطلاق۔۶)۔

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ بیوی پر دوران عدت خرچ کرنے کا معیار اور پیمانہ بھی بتایا ہے۔ ارشاد فرمایا

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِۦ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُۥ فَلْيُنفِقْ مِمَّآ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ۚ

''چاہئے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جسے اندازے کا رزق میسر ہو وہ اپنی بساط کے مطابق خرچ کرے۔

لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَآ ءَاتَىٰهَا ۚ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر جتنا اسے دیا ہے'' (حوالہ الطلاق۔۷)۔

نکاح عقد ہے، عہد ہے، مرد کا وعدہ ہے کہ عورت کو ''محصنات'' بنائے گا، زندگی بھر کیلئے اپنی حفاظت میں لے گا۔ نکاح ایک ایسا عہد ہے جس میں عورت سیپ کا موتی بن جاتی ہے اور مرد وہ سیپ جس میں موتی محفوظ، قلعہ بند ہوتا ہے۔ لیکن ہر انسان کی اپنی اپنی ''قَضَىٰٓ أَجَلًا'' یعنی مقررہ عمر ہے (حوالہ الانعام۔۲) جس پر اس نے دوسرے لوگوں اور اپنی بیوی سے الگ ہونا ہے۔

قرآنِ مجید میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۴ اور ۲۴۰ کی ابتدا میں من وعن ایک جیسے الفاظ میں فرمایا:

وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

''اور تم میں سے جو الگ ہوتے ہیں (طبعی موت، قتل یا شہید ہونے کی بناء پر) اور اپنی بیویوں کو چھوڑتے ہیں''

فرمان کے اس حصے کا ترجمہ تفسیر کرنے کا رواج یوں ہے

[ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب]

آیت: ۲۳۴۔ ''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں''

آیت: ۲۴۰۔ ''جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں''

[ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ کنز الایمان فی ترجمة القرآن]

آیت: ۲۳۴۔ ''اور تم میں سے جو مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں''

آیت: ۲۴۰۔ ''اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں''

[''اور تم میں سے جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں''۔ مترجم: مولانا محمد علی۔ بیان القرآن)

Ayat:234

Yusuf Ali: If any of you **die** and leave widows behind

Pickthall: Such of you as **die** and leave behind them wives,

F. Malik: As for those of you who **die** and leave widows behind,

M. Asad: And if any of you **die** and leave wives behind,

Ayat:240

Yusuf Ali: Those of you who **die** and leave widows

Pickthall: (In the case of) those of you who **are about to die** and leave behind them wives,

[Reference Computer CD "Alim" ISI Software Corp. U.S.A]

آیات مبارکہ کے لفظ یُتَــوَفَّــوْنَ کے معنی ''فوت ہو جائیں''، ''مریں''اور انگریزی میں 'die' کئے گئے ہیں۔ یہ درحقیقت اس ترجمے کا ترجمہ ہے جو تفسیر الجلالین اور القرطبی نے یُتَوَفَّوْنَ کا کیا تھا۔ تفسیر القرطبی اور الجلالین میں اس کا ترجمہ ''یموتون'' کیا تھا۔ اور انہوں نے '' یَذَرُوْنَ '' کا ترجمہ ''یترکون''، کیا تھا جو مادہ ''ت ر ک''(ترک) سے ہے جس کے معنی ''چھوڑ دینا'' ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلام اور لوگوں کی باتوں (جن میں قابل احترام قدیم اور جدید مفسرین شامل ہیں) میں بنیادی فرق کیا ہے؟ قرآن مجید کلام اللہ ہے اور یہ کتابِ لاریب ہے۔ کتاب لاریب (ایسی کتاب جس میں بیان کردہ حقائق شک وشبہ سے بالاتر ہوں) کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ زمان ومکان کے حوالے کی قید سے آزاد ہوتی ہے اور زمان ومکان کے حوالے کی قید سے آزاد کتاب حقیقت بیان کرتی ہے اور حقیقت اختلاف اور تضاد کے امکان سے آزاد ہوتی ہے اس لئے کتاب کے بیان، باتوں میں تناقض نہیں پایا جاتا۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

''تو کیا وہ قرآن (مجید) میں تدبر نہیں کرتے!

اور اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بیان کردہ باتوں میں کثیر اختلاف پاتے'' (سورۃ النساء۔۸۲)

کتابِ لاریب کی حقیقت اور مفہوم کو ان الفاظ میں واضح کر دیا کہ زمان ومکان کے خالق اللہ تعالیٰ کے سوا قرآن مجید اگر زمان ومکان کی کسی ہستی کی تصنیف ہوتا تو اس میں آگے پیچھے بیان کردہ باتوں میں بکثرت اختلاف اور تضاد (تناقض) پایا جاتا۔ اور یہ اصول اور حقیقت واضح کر دی کہ اختلاف اور تضاد بیانی سے ایسی کتابیں پاک نہیں اور نہ آئندہ وجود میں آنے والی کتابیں ہو سکتی ہیں جو زمان ومکان میں محدود ہستی کی تحریر پر مبنی ہوں۔ اور یوں یہ حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ ان کتابوں میں اختلاف اور تضاد کے امکانات زیادہ ہوں گے جس کا مصنف اس میں موجود تحریر اور کلام کو کسی دوسری شخصیت سے منسوب کرے۔

ان قابل احترام مفسرین کے ''ترجمہ اور تفسیر'' کو من وعن صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اسے ان کا اپنا بیان مانیں گے کیونکہ ان کے بیان سے دوسرے مقام پر واضح تضاد (تناقض) پایا جاتا ہے اور اس بناء پر اسے قرآنِ مجید کا بیان کسی صورت نہیں مانا جا سکتا۔ مفسرین کے یُتَــوَفَّــوْنَ کے بیان کردہ معنی ''یــمــوتــون''، تسلیم کر لئے جائیں تو پھر ان میں تناقض، تضاد کیا ہے؟ اہل ایمان اپنی بیویوں سے یُتَوَفَّوْنَ (درحقیقت الگ ہونا) دو طرح سے ہو سکتے ہیں۔

وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوْ مُتُّمْ ''اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے یا مر گئے'' (حوالہ آلِ عمران۔۱۵۷)

وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ ''بالیقین خواہ تم مرجاؤ یا قتل کیے جاؤ ''(حوالہ آلِ عمران۔۱۸۷)

قُتِلُوٓاْ أَوْ مَاتُواْ ''وہ لوگ قتل ہو گئے یا مر گئے''(حوالہ الحج۔۵۸)

قُتِلْتُمْ اور مُتُّمْ ایک دوسرے سے قطعی منفرد ہیں اگر چہ ان دونوں صورتوں میں انسان لوگوں سے اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جاتا ہے۔ہمارا علم اور ادراک بھی یہ ہے کہ اَلْمَوْتَ اور اَلْقَتْلِ حیات کے خاتمے کے ایک دوسرے سے الگ اور منفرد انداز ہیں۔ اَلْمَوْتَ کو ہم اَلْقَتْلِ نہیں کہہ سکتے اور نہ اَلْقَتْلِ کو اَلْمَوْتَ کہہ سکتے ہیں اگر چہ نتیجہ دونوں کا ایک ہوتا ہے کہ مرنے یا قتل ہونے والے ہم سے الگ ''یُتَوَفَّوْنَ''ہو جاتے ہیں اور ہمیں اور بیویوں کو''یَذَرُوْنَ''یعنی چھوڑ جاتے ہیں۔

یُتَوَفَّوْنَ کے مفسرین کے بیان کردہ معنی''یموتون''تسلیم کر لئے جائیں تو پھر ان میں تناقض، تضاد کیا ہے؟ اہل ایمان میں سے بیویوں سے الگ (یُتَوَفَّوْنَ) وہ بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے گھروں سے نکلتے ہیں (آج کے دور میں مسلم فوج، ایئر فورس، نیوی کے جوان، افسر جنہیں میدان جنگ میں بھیجا جاتا ہے) اور پھر ان میں سے بعض جام شہادت نوش کرتے ہیں (اور بعض کے متعلق معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے جام شہادت نوش کیا تھا یا کہیں لا پتہ (Missing) ہیں)۔اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے ان مجاہد خاوندوں کیلئے یَمُوتُ استعمال نہیں ہوتا (اور خبردار کوئی کرے بھی نہیں)

وَلَا تَقُولُواْ لِمَن يُقْتَلُ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتٌۢ

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مردہ (مَيِّتٌ ، مرے ہوئے) مت کہو''

وَلَا تَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُواْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتًۢا

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ (مَيِّتٌ ، مرے ہوئے) گمان نہ کرو''(حوالہ البقرۃ۔۱۵۴، آلِ عمران۔۱۶۹)

کہنے کا تعلق زبان سے ہے اور گمان کا تعلق دل و دماغ سے۔اللہ نے دونوں کو پابند کر دیا۔سبحان اللہ! کیا رتبہ اور مقام ہے اور کیا زندگی ہے اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کی۔اور واضح فرمادیا

بَلْ أَحْيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝

''نہیں! درحقیقت وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کی جانب سے رزق پاتے ہیں''(حوالہ آلِ عمران ۱۶۹)

اگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو ہم مانتے ہیں تو پھر کیا ہمیں انکار ہو سکتا ہے کہ یُتَوَفَّوْنَ کے معنی''یموتون''نہیں ہیں؟

قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔اس میں تضاد اور تناقض نہیں پایا جاتا اس لئے البقرۃ کی آیات مبارکہ ۲۳۴ اور ۲۴۰ میں لفظ ''یموتون'' استعمال نہیں فرمایا بلکہ یُتَوَفَّوْنَ فرمایا اور جن مترجمین اور مفسرین نے یُتَوَفَّوْنَ کو ''یموتون'' سے بدل کر بیان کیا انہوں نے صحیح خیال نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ نے یُتَوَفَّوْنَ کے معنیٰ ''الگ ہونا جس کا مفہوم چھوڑ جانا ہوتا ہے، کہ الگ وہ ہوتا ہے جو چھوڑتا ہے''اس کے بالمقابل لفظ'' یَذَرُوْنَ '' سے بھی کھول کر واضح کر دیئے ہیں۔یَذَرُوْنَ کا مادہ ''وذر'' ہے اور اس کے معنیٰ گوشت کی چھوٹی بوٹی جس میں ہڈی نہ ہو، چھوڑ دینا ہیں۔ وَذَرُواْ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ ''اور اسے چھوڑ دو جو سود میں سے بقایا رہ گیا ہے''(حوالہ البقرۃ۔۲۷۸)۔ جہاد کیلئے صاحب ثروت منافقین اپنے گھروں اور بیویوں سے الگ ہونا نہیں چاہتے

وَقَالُواْ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ ٱلْقَـٰعِدِينَ ۝

اور کہتے ہیں ''ہمیں چھوڑ دیں، بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہنے دیں''(حوالہ التوبہ۔۸۶)

فَٱقْعُدُواْ مَعَ ٱلْخَـٰلِفِينَ ۝

''اس لئے پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو''(حوالہ التوبہ ۸۳)۔ متنبہ فرمایا

قُل لَّن يَنفَعَكُمُ ٱلْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ ٱلْمَوْتِ أَوِ ٱلْقَتْلِ

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں ''تمہیں فرار ہونا فائدہ نہیں دے گا اگر تم موت یا قتل ہونے سے بھاگتے ہو''(حوالہ الاحزاب۔۱۶)

طبعی موت، یا انسان کا کسی کے ہاتھوں غلطی سے یا مُتَعَمِّدًا (دانستہ) قتل، یا اللہ کی راہ میں میدان جنگ، جہاد (القتال) میں قتل ہونے کا نتیجہ یُتَوَفَّوْنَ ،الگ ہونا ہیں۔طبعی موت دیار غیر میں دوران سفر بھی آسکتی ہے اور انسان کو کوئی غلطی سے یا مُتَعَمِّدًا (دانستہ) قتل اچانک بھی کر سکتا ہے۔فرمایا

وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

''اور تم میں سے جو الگ ہوتے ہیں (موت، قتل یا شہید ہونے کی بناء پر) اور اپنی بیویوں کو چھوڑتے ہیں
تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں''

خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق اس کی متعین عدت کیلئے دینا ہوتی ہے۔جن بیویوں کو باقاعدہ حیض آتا ہے ان کے خاوندوں نے انہیں طلاق تین حیض کیلئے دینا ہوتی ہے۔ عورت کا حیض اس کا مخصوص ذاتی معاملہ ہے اور اسے حیض مہینے کی کس تاریخ کو آتا ہے یہ وہ جانتی ہے یا اس

کا خاوند جانتا ہے۔ حیض کے دورانیہ اور دو حیضوں کے درمیان کے صحیح وقفہ کو بھی وہ دونوں جانتے ہیں۔ بیوہ بننے والی عورتوں کیلئے عدت، انتظار کا وقت مہینوں اور دنوں کے حساب سے بتایا گیا ہے کیونکہ عورت کے حیض کا حساب رکھنے والا تو ''فوت''، یعنی الگ ہو گیا ہے اور کسی دوسرے کو حق حاصل نہیں کہ اس عورت کے حیض کے بارے جانکاری کرے۔ معاشرے کو بتادیا گیا کہ بیوہ (جس کا خاوند موت، قتل یا شہید ہونے کی بناء پر اسے چھوڑ چکا ہے) کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔

انسان کو موت اچانک بھی آسکتی ہے، دوران سفر دیار غیر میں بھی موت پہنچ سکتی ہے اور اچانک اتفاقی طور پر یا دانستہ کسی کے ہاتھوں قتل بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن ایک انسان کو موت اس حالت میں بھی آتی ہے جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ موت آن پہنچی ہے۔ اور جب گھر سے جہاد کیلئے میدان جنگ میں نکلتا ہے تو اس ارادے سے نکلتا ہے کہ اس نے قتل کرنا ہے اور قتل (شہید) ہونا ہے۔ ان لوگوں کو البقرۃ کی آیت ۲۴۰ میں ہدایت فرمائی:

وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنكُمۡ وَيَذَرُونَ أَزۡوَٰجًا

''اور تم میں سے جو الگ ہوتے ہیں (موت کے وقت یا جہاد میں قتل، شہید ہونے کیلئے) اور اپنی بیویوں کو چھوڑتے ہیں

وَصِيَّةً لِّأَزۡوَٰجِهِم مَّتَـٰعًا إِلَى ٱلۡحَوۡلِ غَيۡرَ إِخۡرَاجٍ

تو وہ لوگ اپنی بیویوں کیلئے وصیت کر کے جائیں (یا وصیت کریں) مال واسباب دینے کی، ایک سال تک کیلئے، گھروں سے نکالے بغیر''

اچانک مر جانے والا یا کسی کے ہاتھوں اچانک قتل ہو جانے والا خاوند اس طرح کی وصیت نہیں کر سکتا۔ البقرۃ کی آیت ۲۳۴ میں ہدایت بیواؤں اور معاشرے کیلئے ہے جب کہ آیت ۲۴۰ میں ہدایت ان الگ ہونے والوں خاوندوں کو دی گئی ہے جنہیں اپنی موت کا وقت آن پہنچنے کا علم ہے (یا میدان جنگ میں جانے کی بناء پر قتل یعنی شہید ہونے کا امکان ہے) اور الگ ہوتے ہوئے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ رہے ہیں۔ قرآن مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے، جس میں روز قیامت تک پیش آنے والے تمام امکانات اور حالات کیلئے دوٹوک اور محکم ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔ یہ وصیت کیوں ضروری ہے؟ اس لئے کہ بیواؤں کے متعلق یہ حکم ہے کہ دوران عدت یعنی چار مہینے دس دن تک تو اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتیں۔ ''لیکن چھپ کر ان سے وعدہ نہ لو سوائے اس کے کہ مناسب بات کہو''

وَلَا تَعۡزِمُواْ عُقۡدَةَ ٱلنِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبۡلُغَ ٱلۡكِتَـٰبُ أَجَلَهُۥ

''اور نہ ان سے عقد نکاح کا عزم کرو جب تک مقررہ عدت اپنی مدت پوری نہ کر لے'' (حوالہ البقرۃ۔ ۲۳۵)۔

اور مطلقہ کی عدت کے دوران اگر خاوند فوت ہو جائے تو لواحقین کیلئے حکم ہے

وَلِلْمُطَلَّقَٰتِ مَتَٰعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾

''اور مطلقہ بیویوں کو دستور کے مطابق مال ومتاع دیا جائے۔ یہ متقین پر لازم ہے'' (البقرۃ۔۲۴۱)۔

کاش کہ کھڑے کھڑے بیویوں کو طلاق دینے اور فالتو اور ناکارہ شئے کے انداز میں گھر سے باہر نکال دینے کے لغو فلسفے کا پرچار کرنے والوں نے ان آیات مبارکہ پر بھی کبھی غور کیا ہوتا جن میں بعد از مرگ بھی گھر سے فوراً نکال دینے سے منع کیا گیا ہے اور لازم قرار دیا گیا کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کو سامان دیا جائے۔ (خواتین بھی ان آیات کو دھیان سے پڑھیں کہ مطلقہ کو ہاتھوں ہاتھ گھر سے نکلوانے میں بعض اوقات ان کا حصہ بھی ہوتا ہے)۔

قرآنِ مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۲۶۔۲۳۱ میں قانون طلاق بیان ہوا ہے اور طلاق کے قانون پر عمل درآمد کے طریقہ کار (procedural law) پر ہدایات سورۃ الطلاق میں دی گئی ہیں۔ طلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کو اگر ہنسی مذاق بنا لئے جانے کا امکان نہ ہوتا تو کیا یہ بات کہنے کی ضرورت ہوتی؟ وَلَا تَتَّخِذُوٓا۟ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ هُزُوًا ''اور اللہ کی آیات کو ہنسی مذاق نہ بنا لینا'' (حوالہ البقرۃ ۲۳۱)۔ نوٹ کرنے والی اہم ترین بات یہ ہے کہ اہل ایمان کو قرآنِ مجید میں اللہ کی آیات کو ہنسی مذاق نہ بنا لینے کی ہدایت ان آیات کے درمیان دی گئی ہے جو طلاق کے بارے میں ہیں۔ کیا اسلامی ممالک کی حکومتوں کے سربراہ اور اہل علم وفکر اس بات پر مطمئن ہیں کہ معاشرے میں طلاق کے ضمن میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ صحیح ہے؟ اور اگر مطمئن نہیں تو کیا اس بات کی ضرورت نہیں کہ ایک مرتبہ سوچیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جس بات سے اللہ نے منع فرمایا ہے ساری امت میں نہ سہی لیکن یہاں وہاں آیات کو ہنسی مذاق تو نہیں بنا لیا گیا؟ چونکہ اس کا امکان ہے اس لئے کیا اہل علم وفکر اور خاص کر حکومت پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ اس بات کو یقینی بنائے کہ کوئی بھی کسی بھی زمان میں طلاق کے معاملات کو ہنسی مذاق بنا کر اللہ کی آیات کے ساتھ مذاق نہ کر سکے؟ اللہ رب العزت نے اہل ایمان سے ایک سوال کے انداز میں انتہائی سخت تنبیہ فرمائی ہے۔ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ''کیا ایمان والوں کیلئے وہ وقت نہیں آیا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ ٱللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ ٱلْحَقِّ کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس حق (قرآنِ مجید) کے سامنے جو اللہ نے نازل کیا ہے دب جائیں وَلَا يَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلُ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں (ان سے قبل) کتاب دی گئی تھی فَطَالَ عَلَيْهِمُ ٱلْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ پھر ان پر مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَٰسِقُونَ ٥ اور ان میں کثیر فاسق ہیں'' (الحدید۔۱۶)۔

سب جانتے ہیں کہ اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب سے کس طرح دور ہوتے چلے گئے تھے کہ انسانی ہاتھوں کی لکھی ہوئی روایات ر تاریخ کی کتب ہی کو دین بنا بیٹھے۔ یارب! ہم پر رحم فرما۔